ممبئی حملوں کے مظلومین

(مہلوکین، متاثرین اور لواحقین کی دردانگیز کہانیاں)

محمد مجیب احمد

ممبئی حملوں کے مظلومین
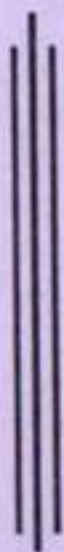
(مہلوکین، متاثرین اور لواحقین کی دردانگیز کہانیاں)

محمد مجیب احمد

نام کتاب : ممبئی حملوں کے مظلومین

مصنف : محمد مجیب احمد

سن اشاعت : نومبر 2012ء

تعداد : ۵۰۰

کمپیوٹر کتابت : SAM کمپیوٹرس اینڈ پرنٹنگ پریس (رجسٹرڈ)
فون : 9246 54 3027, 994 88 99196
ای میل: m_basharath@yahoo.com
ویب : www.samurdu.com

طباعت : SAM کمپیوٹرس اینڈ پرنٹنگ پریس

ناشر : مجیب بک پروموٹرس، حیدرآباد

مصنف کا پتہ : 2-3-48/G، قادری باغ، عنبرپیٹ
حیدرآباد 500013 (اے پی)۔ فون: 9676864045
ای میل: mujeeb_ahmed64@yahoo.com

قیمت : -/150 روپے (ایک سو پچاس روپے)

ملنے کے پتے

- بہ مکان مصنف 2-3-48/G، قادری باغ، عنبرپیٹ، حیدرآباد 500013
- روزنامہ سیاست، بک سیلس کاونٹر، روبرو رام کرشنا تھیٹر، عابڈس، حیدرآباد

انتساب

ممبئی حملوں (26-11-2008) کے تمام مظلومین
کے نام

محمد مجیب احمد

فہرست

صفحہ نمبر		عنوان
		ابتدائیہ..................
6	مصنف	آہ! خونِ دل میں ڈبولیا ہے قلم میں نے

کہانیاں

آہ! خونِ دل میں ڈبولیا ہے قلم میں نے ......!

26 نومبر 2008 کی رات کو بیرونی دہشت گردوں نے مادر ہند کے سینہ پر جو ہلاکت انگیز اور قیامت خیز یلغار کی ، وہ ہندوستانی تاریخ میں ایک ''سیاہ باب'' کی حیثیت سے ہمیشہ درج رہے گی۔ ان بدترین اور سنگین حملوں کو ہم ہندوستانی کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ مختلف مقامات پر یکے بعد دیگرے سلسلہ وار حملوں نے ایک قہر وغضب برپا کر دیا تھا۔ بے رحمانہ ہلاکتوں کے سبب معصوم انسانوں کی گولیوں سے چھلنی لاشیں بکھری ہوئیں، بم دھماکوں سے بے گناہ لوگوں کا خون ہی خون پھیلا ہوا اور مظلومین کی آہ وفغاں نے پورے ماحول کو اذیت واضطراب کی کیفیت میں ڈھال دیا تھا۔ دہشت کے باعث لوگوں کے دل دہل گئے تھے۔ اس خون ریز اور قتل انگیز کارروائی کے دوران جس طرح بے قصور، بے گناہ اور معصوم انسانوں کی جانوں سے کھلواڑ کیا گیا تھا اور کس طرح انسانیت کو دہشت نے سسک سسک کر دم توڑنے پر مجبور کیا تھا۔ اِسے یاد کر کے آج بھی ہر ہندوستانی کا دل خون کے آنسو روتا ہے اور 26 نومبر کی تاریخ کو ہر سال ان شہیدوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ظالم حملہ آوروں کے ظالمانہ حملوں کے نظارے سب کی نظروں کے آگے پھر سے گھومنے لگتے ہیں۔ ہم صدیوں تک اس المناک سانحہ کو بھلا نہیں پائیں گے بلکہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مہلوکین کی یادوں کی شمع ہمارے دلوں اور ذہنوں میں مزید منور ہوجائے گی!

ملک کی تجارتی اور مالیاتی راجدھانی ''ممبئ'' میں پڑوسی دیش پاکستان سے گھس آئے دہشت گرد حملہ آوروں نے جو ہلاکت خیز حملے کئے تھے وہ ملک کی تاریخ کے سب سے بڑے اور ہولناک دہشت گردانہ حملے تھے۔ ان غیر معمولی حملوں نے ایک چیالنج کی حیثیت سے حکومت، فوج، خصوصی محافظ دستوں اور پولیس کے علاوہ ساری قوم کو اپنی طرف متوجہ کردیا تھا۔ یہ دہشت گرد حملے صرف چند منٹوں کے نہیں بلکہ اٹھاون (58) گھنٹوں پر محیط رہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان مہلک حملوں میں جملہ (195) معصوم اشخاص ہلاک اور تقریباً (300) سے زائد زخمی ہوگئے تھے۔ جوکہ ایک انتہائی افسوسناک المیہ ہے۔ جن میں عام شہری، 22 غیر ملکی، 13 مہاراشٹرا پولیس ملازمین، 1 آر پی ایس کانسٹبل، 1 ایس آر پی ایف کانسٹبل، 1 ہوم گارڈ، 2 این ایس جی کمانڈوز شامل ہیں اور 300 زخمیوں میں 6 این ایس جی کمانڈوز کے علاوہ عام شہری وغیر ملکی ہیں!

خونی حملہ آوروں نے عروس البلاد ''ممبئ'' میں کسی ایک جگہ پر حملہ نہیں کیا بلکہ متعدد عوامی مقامات کو نشانہ بنایا تھا۔ جن میں ریسٹورنٹ، ریلوے اسٹیشن، ہاسپٹلس، گذرگاہوں، نریمان ہاؤس، اوبرائے ٹرائیڈنٹ ہوٹل کے علاوہ ممبئ کی علامت سمجھی جانی والی عمارت ''تاج ہوٹل'' قابل ذکر ہیں۔ ان دہشت گردانہ حملوں سے نمٹنے کے درمیان ہمارے جن اٹھارہ (18) بہادر، جیالے اور محبِّ وطن پولیس عہدیداروں واہل کاروں اور فوجی سپاہیوں نے ملک وقوم کے لئے اپنی عزیز جانیں قربان کی تھیں وہ ہیں:

- شہید ہیمنت کرکرے (آئی پی ایس) اعلیٰ پولیس آفیسر وانسداد دہشت سربراہ۔
- شہید اشوک کامٹے (آئی پی ایس) اڈیشنل کمشنر آف پولیس ایسٹ زون ممبئی۔
- شہید وجے سلاسکر (پولیس انسپکٹر وانکاؤنٹر اسپیشلسٹ)
- شہید میجر سندیپ اُنی کرشنن (انڈین آرمی۔این ایس جی کمانڈو)
- شہید حوالدار گجیندر اسنگھ (این ایس جی کمانڈو)
- شہید شاشنک شِنڈے (پولیس انسپکٹر سی ایس ٹی ریلوے اسٹیشن)
- شہید پرکاش پی مورے (پولیس سب انسپکٹر، ایل ٹی مارگ پولیس اسٹیشن)
- شہید باپو صاحب دُورُوگاڈے (پولیس سب انسپکٹر۔ایل اے۔I نئے گاؤں)
- شہید تکارام جی اومبلے (اسسٹنٹ پولیس سب انسپکٹر۔ڈی بی مارگ پولیس اسٹیشن)
- شہید بالا صاحب بھوسلے (اسسٹنٹ پولیس سب انسپکٹر)
- شہید ایم سی چودھری (پولیس ہیڈ کانسٹبل۔آر پی ایف)
- شہید جئے ونت پاٹل (پولیس کانسٹبل)
- شہید وجے کھانڈیکر (پولیس کانسٹبل)
- شہید اورن چتے (پولیس کانسٹبل)
- شہید یوگیش پاٹل (پولیس کانسٹبل)
- شہید امبا داس پوار (پولیس کانسٹبل)
- شہید راہل ایس شنڈے (پولیس کانسٹبل۔ایس آر پی ایف)
- شہید مکیش بی جادھو (ہوم گارڈ کانسٹبل)

ان تمام شہیدان وطن کو ہم سب اپنا بھرپور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے پسماندگان سے دلی اظہار تعزیت کے ساتھ ان کے دکھ ودرد میں برابر کے شریک ہیں۔ وہ

خود کو بے آسرا اور تنہا نہ سمجھیں بلکہ قوم کا ہر فرد قدم قدم پر ان کے ساتھ ہے۔

تم ہی سے اے مجاہد واجہان کو ثبات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

بے گناہ شہیدوں کی جان بچانے کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے والے بجا طور پر احترام واکرام کے حق دار، اعزازات کے مستحق اور قابل عزت ہوتے ہیں۔ ایسے دیانت دار، فرض شناس اور مستعد پولیس عہدیداروں واہل کاروں اور فوجی سپاہیوں کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔ انھوں نے اپنا فرض بخوبی نبھاتے ہوئے اپنے ہم منصب ملازمین میں فرض کا مثبت اور تعمیری جذبہ بھی اُجاگر کیا ہے اور ان میں ملک اور قوم کی حفاظت کا احساس جگایا ہے۔ ساتھ ہی دہشت گردی سے نمٹنے میں اہم کردار نبھانے کی راہ ہموار کی ہے۔ جسے ملک وقوم کے تحفظ کی خاطر جاری رکھنے کی از حد ضرورت ہے۔

اس خون آشام شب کو ممبئی میں ہوئے ان حملوں سے صرف اس کے باشندوں کو تکلیف نہیں ہوئی تھی بلکہ اس سے ملک کا ہر شہری تڑپ اُٹھا تھا۔ اس دردناک واردات کو یاد کرتے ہوئے آج بھی قوم کی آنکھ سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ جب دہشت گردوں نے پورے شہر کو گولیوں، بم دھماکوں اور گرینیڈ حملوں سے دہلا کر عام شہریوں، غیر ملکیوں اور ہوٹلوں کے ملازمین کو یرغمال بنا کر وقفہ وقفہ سے ہلاک کرنا شروع کر دیا تھا تو ساری قوم انتہائی اذیت ناک احساسات اور کرب ناک محسوسات کا شکار ہو کر تین دنوں تک اضطراب اور تشویش ناک لمحات میں گرفتار ہو گئی تھی۔ اس صدمہ انگیز کیفیت سے سب اندرون ملک اور بیرون ممالک میں مقیم ہندوستانی دو چار تھے۔ علاوہ ازیں سارے اقوام عالم نے اس دکھ کی گھڑی میں ہندوستان سے اظہار یگانگت کرتے ہوئے اس مذموم حملوں کی سخت مذمت کی تھی۔

جس طرح دہشت گردوں نے یہ منصوبہ بند وحشیانہ کارستانی انجام دی تھی اسے ساری دنیا نے دیکھا کہ انھوں نے کیسے نہتے شہریوں اور غیر ملکی مہمانوں کو اچانک ہلاکت کا شکار بنایا تھا؟ اور کیسے انسانیت کی پامالی اور تذلیل کی تھی؟ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ مذکورہ حملے بڑی گہری سازش کا نتیجہ تھے۔ جن کا مقصد ممبئی جیسے ترقی یافتہ شہر کی معاشی سرگرمیوں کو معطل کر کے عوام میں افراتفری، بے چینی اور غیر یقینی صورتحال پیدا کرتے ہوئے ملک کو عدم استحکام کے ماحول سے دوچار کرنا تھا۔ لیکن اللہ کے فضل سے ایسا نہیں ہوا۔ ہماری زورآور قوم نے اپنے اتحاد اور اتفاق سے ایسا ہونے نہیں دیا جو کہ دہشت گردانہ حملوں کی سازش رچنے والوں کے لئے ایک کراری جھٹکہ ثابت ہوا۔ ہم ہندوستانیوں کے طاقتور پائے ثبات کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی اور نہ ہی ہمارا مضبوط اعتماد متزلزل ہوا۔ یہ ہماری قومی یکتائی اور یکجہتی کا شاندار مظاہرہ تھا۔ جو انشاء اللہ ہمیشہ دائم و قائم رہے گا اور ہمارے پیش نگاہ صرف ملک کی سالمیت اور صیانت ہی مقدم رہے گی۔ ہم نے اپنی آپسی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی سے ملک و قوم دشمن عناصر کو ایسا دندان شکن اور منہ توڑ جواب دیا کہ وہ پھر آئندہ کبھی مادرِ ہند کی جانب حملہ کی نیت سے نظر نہ اُٹھا سکے۔ ہماری عظیم قوم نے حملوں کے تکلیف دہ، صبر آزما اور صدمہ انگیز حالات میں بردباری، تحمل اور اتحادی قوت کا جو بے مثال اظہار کیا تھا۔ اس کے لئے میں ساری قوم کو فخریہ طور پر سلام کرتا ہوں۔ ساتھ ہی دل کی گہرائیوں سے ہمارے مسلح اور نیم مسلح دستوں کو جنھوں نے نہایت جرأت مندی اور دلیری سے ان حملوں سے نمٹا تھا انھیں مبارکباد دیتا ہوں!

ہندوستان کا ہر شہری بہتر جانتا ہے کہ ان دہشت گردانہ حملوں کا اصل منشا کیا تھا؟ ملک و قوم کی دشمن طاقتیں یہی چاہتی تھیں کہ حملوں کے ذریعہ ہمارے درمیان نفرت کے شعلوں کو بھڑکایا جائے تاکہ ملک میں بدامنی اور خانہ جنگی کی فضا کے ساتھ عدم استحکام کا

غیر یقینی ماحول پیدا ہو جائے۔ مگر ہم نے ایسی صورتحال کو جنم نہ دے کر دہشت گردوں کے سرحد پار آقاؤں کو شکست فاش دی اور ان کے ارادوں اور منصوبوں کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔ ہم سب ایک ہندوستانی قوم کے جذبے کے تحت دہشت گردی کا برابر مقابلہ جاری رکھیں گے اور ملک میں امن و امان برقرار رکھتے ہوئے رواداری اور محبت کو مزید مستحکم کریں گے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے ممبئی حملوں کو بھلا دیا ہے تو وہ صریح غلطی پر ہے۔ ہم ہرگز اس بات سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ ایسا سوچنا ان مہلوکین کے خلاف ہوگا جن کی قیمتی زندگیاں دہشت گرد حملوں کی نذر ہو گئی ہیں اور ایسا خیال کرنا ان کے خاندانوں کے خلاف بھی ہوگا جو اس بدترین المیہ کے نتیجے میں بدستور پریشان ہیں۔ جنھوں نے اپنے چہیتوں کو کھو دیا ہے۔ یہ گہرے زخم اتنی آسانی سے مندمل نہیں ہوں گے اس کے لئے تو طویل عرصہ درکار ہوگا۔ ملک میں ہنوز ان حملوں کا احساس اور دُکھ پایا جاتا ہے۔!

مہلوکین کے خاندان کا ہر فرد یہ بتائے گا کہ کس طرح وہ اپنے چہیتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہر کسی کا غم ایک ہی ہے لیکن نوعیت جدا ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ حملہ آوروں نے میرے باپ کو ہلاک کر دیا ہے، کوئی اپنے بھائی کی موت پر آنسو بہا رہا ہے، کوئی اپنی ماں، بہن یا کمسن بیٹا، بیٹی کی جدائی پر ماتم خواں ہے اور کہیں بیوی اپنے شوہر یا شوہر اپنی بیوی کے رخصت ہونے پر نوحہ کناں ہے۔ یہ زخم کبھی مندمل نہیں ہو سکیں گے۔ آنکھوں سے بہتے آنسو اور تھرتھراتے ہونٹوں سے ان کی داستانِ الم سن کر کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ جب تک حکومتِ پاکستان ان حملوں کے سازشیوں کے خلاف سازش کے جرم میں ٹھوس اور عاجلانہ و منصفانہ مقدمہ نہیں چلاتی اور خاطیوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچاتی، ہم ہندوستانیوں کو چین نہیں آئے گا اور نہ ہی مہلوکین کے لواحقین اور متاثرین کو سکون فراہم ہوگا بلکہ دونوں ممالک کے عوام میں دوستی کی جگہ کشیدگی برقرار رہے گی۔ دہشت گردی سے پاک ماحول میں ہی

باہمی روابط بحال ہوسکیں گے۔!

پڑوسی ملک پاکستان پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ہندوستان میں کیے گئے حملوں میں ملوث اشخاص یا تنظیم کے خلاف سخت ترین کارروائی کرے تاکہ ہندوستان سے اس کے تعلقات میں دراڑ پیدا نہ ہو۔ وہاں پنپنے والی دہشت گردی کی عفریت سے ہندوستان راست متاثر ہوا ہے۔ پاکستان کو ان دہشت گردانہ حملوں کے ملزمین کے سمعی نمونوں کی جانچ کے لئے ہندوستان کی درخواست پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ یہ ایک افسوسناک پہلو ہے کہ وہاں کی ایک زیریں عدالت نے ہندوستان کی ٹھوس بنیاد پر کی گئی درخواست کو مسترد کردیا ہے لیکن حکومت پاکستان کو باریک بینی اور سنجیدگی سے اس کا جائزہ لینا ہوگا تاکہ دونوں ممالک کی تجارت میں تعطل اور تعلقات میں سرد مہری پیدا نہ ہوسکے۔:

باہمی روابط میں ہوں نہ غیر سنجیدہ
آپ یہ سمجھ لیں گے تو اچھا ہوگا

ہمارا ملک ہندوستان ایک امن پسند ملک ہے اور ہماری قوم خیرسگالی اور سلامتی پر ایقان رکھتی ہے۔ ہم بین الاقوامی سطح پر اقوامِ عالم سے برادرانہ اور دوستانہ تعلقات پر یقین رکھتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان نے کبھی بھی کسی ملک کی سرزمین پر کوئی خفیہ کارروائی نہیں کی بلکہ وہ عظیم تر علاقائی تعاون اور مفاہمت پر زور دیتا آرہا ہے۔ ہندوستان عالمی سطح پر امن، استحکام اور سلامتی کے فروغ کے لئے جدوجہد کررہا ہے جس کا اعتراف بین الاقوامی برادری نے بھی کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عالمی نظام میں ہندوستان کو اس کا مستحقہ مقام حاصل ہوا ہے۔

ہمارا ملک دو دہوں سے دہشت گردی کا شکار ہے اور ہر طریقہ سے اس پر قابو پانے

کے لئے موثر اقدامات کرتا آرہا ہے اور مزید اقدامات کے لئے اس مسئلہ کا گہرائی سے جائزہ لیتا رہتا ہے۔ آئندہ ممبئی جیسے حملوں سے سختی سے مقابلہ کے لئے پوری طرح چوکس اور چوکنا ہے۔ ممبئی حملوں کے لئے عالمی سطح پر شکنجہ کسنے کی ضرورت ہے تاکہ دہشت گردوں اور ان کے سرپرستوں کو کسی بھی گوشہ سے تائید، مدد اور چھوٹ نہ مل سکے اور نہ ہی اُنھیں دوبارہ سرگرم ہونے کا موقع مہیا ہو سکے۔ ہمارا ملک یہی چاہتا ہے کہ ممبئی حملوں کے سازشیوں کے خلاف سخت اور کڑی سزا ہو تاکہ آئندہ پھر کبھی ایسے حملوں کا اعادہ نہ ہو پائے اور انسانی جانوں کے اتلاف اور املاک کے نقصانات کے ساتھ خوف و دہشت کے قیامت خیز حالات پیدا نہ ہوں۔

ممبئی حملوں کے مظلومین کی کہانیوں کا مجموعہ ''ممبئی حملوں کے مظلومین'' (The Victims of Mumbai Attack) کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ مہلوکین کو خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے ان کے لواحقین اور متاثرین سے دلی اظہارِ یگانگت کے ساتھ ان کے درد و رنج میں ڈوبے ہوئے صبر آزما حالاتِ زندگی کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ سارا جہاں یہ جان سکے کہ حملوں کے درمیان اور بعد میں ان پر کیا بیتی ہے؟ اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو ناگہانی طور پر کھو دینے پر ان کا جو حال ہوا ہے اسے وہی بہتر جانتے ہیں۔ ان کے درد و الم کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے!

میں نے متاثرین کے احساسات اور جذبات کو الفاظ کی زبان دینے کی کوشش کی ہے اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قومی جذبے کو سلامت رکھے۔ آمین

ہم نے حملوں کے درمیان اور بعد اپنے متاثر برادرانِ وطن کے ساتھ بے پناہ اپنائیت اور خلوص کا بے لوث مظاہرہ کر کے انھیں تسلی، دلاسہ اور حوصلہ دیتے ہوئے ان کے غم میں شامل ہو کر ان کا دکھ و درد بانٹا ہے۔ ان کا اعتماد بحال کیا ہے اور آج بھی اپنے ہم وطن

مہلوکین کی کمی محسوس کرتے ہیں نیز ہماری ساری ہمدردیاں ان کے پسماندگان و متعلقین کے ساتھ ہیں۔

دہشت گردانہ حملوں کے المناک واقعات اور مہلوکین کے دردناک حالات نے مجھے اذیت اور کرب میں مبتلا کردیا تھا جس کو میں نے اپنی کہانیوں میں اُجاگر کیا ہے۔ جب میں نے مظلومین کے بارے میں لکھنا شروع کیا تب مجھے گونا سکون اور قرار حاصل ہونے لگا تھا۔ بفضلِ ربی میں نے جملہ (31) کہانیاں لکھی ہیں۔ اگرچہ متاثرین اور مظلومین کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ مگر سب کا رنج والم مشترک ہے۔ سب کے دکھ بھرے واقعات ایک جیسے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ پیام "ممبئی حملوں کے مظلومین" (The Victims of Mumbai Attack) تمام برادرانِ ہند تک پہنچے تاکہ وہ حالات سے واقف ہوکر دہشت گردانہ حملوں کے مقاصد کو سمجھتے ہوئے آپس میں متحد و منظم رہیں اور آپسی رواداری و یکجہتی سے دہشت گردی کا مردانہ وار مقابلہ کرسکیں۔ ہمارا اتحاد ہی ہماری جیت ہے، اور ملک وقوم دشمنوں کی شکست ہے۔

متاثرین نے شدید طور پر متاثر ہونے کے باوجود جس طرح سخت اذیت برداشت کرتے ہوئے اپنی بکھری اور منتشر زندگی کو یکجا کرکے جدوجہد کے ساتھ دوبارہ سفر کا جو آغاز کیا ہے وہ ایک حوصلہ مند علامت ہے۔ اُنھوں نے جان گُسل صدمات اور روح فرساء حالات میں اپنی زندگی کو جس طور سے آگے بڑھایا ہے۔ وہ لائقِ تعریف اور قابلِ تقلید ہے۔ ان کے عمل اور صبر کی ہم سب قدر کرتے ہیں۔ "ممبئی حملوں کے مظلومین" میں مظلومین کی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات، اِن کے دُکھ بھرے احساسات اور درد میں ڈوبے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان کہانیوں کا آغاز دہشت، ہلاکت اور مظلومیت سے ہوتا ہے اور نقطۂ عروج جرأت، شہادت اور ہمت پر ہوتا ہے۔:

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا
کہ گرتے گرتے بجلی آپ خود بیزار ہوجائے

کہانیوں کا مجموعہ ''ممبئی حملوں کے مظلومین'' کی تمام کہانیوں کے کردار حقیقی ہیں۔ مظلومین کی یہ زندہ جاوید کہانیاں نہ کبھی بھلائی جاسکتی ہیں اور نہ ہی گزرتے وقت کے ساتھ دھندلی ہوسکتی ہیں بلکہ یہ سدا ہمارے دلوں اور ذہنوں میں محفوظ رہیں گی۔ ہولناک حملے اور دہشت گردوں کا خوفناک قہر، ایک ڈراؤنے خواب کی طرح اچھا یاد رہے گا۔ موجودہ تیز رفتار زندگی کے ہنگاموں اور چار برس کا عرصہ بیتنے کے باوجود حملوں میں مرنے والوں، زخمیوں اور ان کے ارکانِ خاندان کی آہیں وچیخیں آج بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں!

ممبئی ایک مالیاتی شہر کے ساتھ یکجہتی کا شہر بھی ہے اور ممبئی والوں کے دل امن و اتحاد کے لئے ہمیشہ دھڑکتے ہیں۔ "Our hearts beats for India" کو انھوں نے سچ ثابت کر دکھایا ہے۔ ان کی یہ تاریخ رہی ہے کہ جب کبھی کوئی دہشت گردانہ حملہ یا دھماکہ کا شکار ہوجاتا ہے تو وہ اپنی مصروف زندگی کے باوجود متاثرین کے درد بانٹنے کے ساتھ ساتھ انھیں معمول کے مطابق زندگی گزارنے میں مدد بھی دیتے ہیں۔ یہی ان کی امتیازی خصوصیت ہے ان میں فراخدلی اور علوِ ہمتی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے جس کی داد دینی چاہئے۔

دہشت گردانہ حملوں کی ہلاکت خیزی کے بعد شہر ممبئی معمول پر آگیا۔ عوام نے اپنی زندگی کے معمولات خوفزدہ ہوئے بغیر بحال کرنے میں زیادہ دلچسپی دکھائی۔ اُنھوں نے اپنے پسندیدہ اور چہیتے شہر کی دہشت گردی سے متاثرہ حالت پر آنسو بہانے اور سہمے رہنے کی بجائے عزم واستقلال کا بے مثال مظاہرہ کیا ہے۔ خوشگوار انداز میں زندگی بحال کرکے اُنھوں نے یہ ثابت کردیا کہ وہ حوصلہ منداور باہمت ہیں۔ ہم سب ہندوستانیوں کا

ایقان ہے کہ دہشت گردی کے خلاف ہندوستان کی جیت ہوئی ہے اور یہ حقیقت سب تسلیم کرتے ہیں۔!

حملہ کا پہلا نشانہ بنے ''لیو پولڈ کیفے'' کی جب دوبارہ کشادگی عمل میں آئی تو مقامی شہری سلیم کے چہرے پر خوشی ومسرت کے جذبات عیاں تھے۔اس کا کہنا تھا کہ ہمیں خوف زدہ و پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہوٹل کی کھڑکیوں کے دبیز شیشوں اور دیواروں پر گولیوں کے نشانات صاف دکھائی دے رہے ہیں، کیش کاؤنٹر ٹوٹا ہوااور فرش میں دستی بم سے گڑھا پیدا ہوگیا ہے۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا تابناک زندگی کے لئے کربناک لمحات سے گزرنا ہی پڑتا ہے :

ایسے ہم ہوں گے اس زمانے میں
بڑھ کر جو زندگی سے ملتے ہیں

اس طرح جب ہوٹل تاج کو دوبارہ کھول دیا گیا تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فلم ڈائرکٹر عبدالحئ نے کہا کہ ''یہ پرندہ قُقنُس کی طرح جی اُٹھی ہے۔ اس پرندہ کے تعلق سے بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ ہزار سال کا ہوجاتا ہے تو گھونسلہ میں گانے لگتا ہے۔ اس دوران آگ لگ جاتی ہے اور ققنس اس آتش میں جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ پھر بہ قدرت الٰہی جب اس راکھ پر بارش ہوتی ہے تو انڈا بنتا ہے۔ چند دنوں کے بعد دوبارہ اس کا جنم ہوتا ہے۔ بس یہی حال ہوٹل تاج کا ہے۔ دہشت گردی کی آگ میں جھلنے کے بعد دوبارہ بڑے ہی آن بان سے اس کا آغاز ہوا ہے۔!

یہ سچ ہے کہ دہشت گرد حملوں کے بعد عوام کا حوصلہ بڑھا ہے اور ان کی قوتِ ارادی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ حملے، ملک کی تاریخ کے بڑے اور پہلے حملے ہیں جن کے روپ میں دہشت گردوں نے ملک سے جنگ لڑی ہے جس میں انھیں کراری شکست ہوئی ہے اور

جیت ہمارے ملک کی ہوئی ہے۔ ہمارے صیانتی دستوں نے انھیں پسپا و ہلاک کردیا اور قوم نے اپنے اٹوٹ اتحاد کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان حملوں میں ہمارے معصوم عوام اور جانباز سپاہیوں کی جانیں گئی ہیں۔ یقیناً ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ ان کی قربانیاں ہم ہرگز بھول نہیں سکتے۔!

دہشت گرد اور ملک وقوم دشمن عناصر، ہندوستان کی اٹوٹ سالمیت اور بھائی چارگی کو نقصان پہنچاتے ہوئے عوام کے اتحاد کو توڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ ہماری قوم کی یہ تاریخ رہی ہے کہ مصیبت کے وقت وہ ذات پات، مذہب وفرقہ کو بھلا کر اپنے برادرانِ وطن کی مدد کو ترجیح دیتی ہے۔ اس حملہ کے بعد ہماری قومی یکجہتی مزید طاقتور ہوگئی ہے۔ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب دہشت گردوں نے ممبئی پر حملہ کیا تو یہ حملہ بچوں، عورتوں، جوانوں، بوڑھوں، ہندوؤں اور مسلمانوں، اعلیٰ ذات یا نچلی ذات والوں پر نہیں بلکہ ہم ہندوستانیوں پر کیا تھا۔ اگر دہشت گرد اور ملک وقوم دشمن طاقتیں ہم میں انتشار اور پھوٹ ڈال کر ملک میں افراتفری پیدا کرنا چاہتی ہیں تو وہ کھلی غلط فہمی کا شکار ہیں اور انھیں ہمیشہ ناکامی ہی ہوتی رہے گی۔!

دہشت گردی کے خلاف ممبئی کے شہریوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر انسانی زنجیر بناتے ہوئے احتجاج کیا اور اپنے اٹوٹ اتحاد کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنے ملک اور شہر کو عدم تشدد، امن و مساوات اور اتحاد و اتفاق کا گھوارہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے ''ہم سب ایک ہیں''۔ ''بھارت ماتا کی جئے''۔ ''دہشت وتشدد نہیں چاہئے۔'' جیسے نعرے لگائے۔ اس موقع پر سینٹ جوزف اسکول کے طالب علم ملن سونی نے کیا خوب کہا ''چند افراد دہشت گردی کے ذریعہ ہم میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں مگر ہم بتادینا چاہتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف ہماری متحدہ جنگ جاری رہے گی''۔

بلاشبہ حملوں کے بعد ہم نے ایک تلخ سبق سیکھا ہے اور ہم نے یہ بھی سیکھ لیا ہے کہ ایسے دہشت گردانہ حملے ہمارے جذبۂ یکجہتی کو متزلزل نہیں کر سکتے۔!

میں، ممبئی کے عوام کے اعلیٰ جذبے اور حوصلے کو سلام کرتا ہوں۔ جنھوں نے متعدد بار بم دھماکوں کے باوجود ان کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سارے ملک کے عوام کو یہ پیام دیا ہے کہ اپنے اتحاد کو برقرار رکھتے ہوئے دہشت گردانہ حملوں کو کیسے ناکام بنایا جاتا ہے؟ اور کیسے دہشت گردوں کو منہ توڑ جواب دے کر دہشت گردی کو شکست دی جاتی ہے؟ اہلیانِ ممبئی نے حالیہ حملوں اور ماضی میں ہوئے دھماکوں کے خلاف جس طرح کا حوصلہ، مزاحمت اور عزم کا مظاہرہ کیا ہے اس کی پوری قوم شاہد ہے۔

میں تمام برادرانِ وطن سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ قوم و وطن دشمن طاقتوں کی سازش سے باخبر و ہوشیار رہ کر ان کا پوری قوت سے مقابلہ کریں اور ملک میں امن و امان کی برقراری کے لئے جدوجہد و کوشش کریں۔ ہم آپسی اتحاد، بھائی چارے اور اعتماد کے ماحول میں ہی اس چیلنج سے نمٹ سکتے ہیں۔ دہشت گردانہ حملوں کے موقع پر تمام سیاسی جماعتوں نے تمام تر اختلافات کو بھلا کر اپنے اتحاد و یکجہتی کا جو بے پناہ اظہار کیا ہے وہ قابلِ رشک اور لائقِ تحسین ہے۔!

مجھے اُمید ہے کہ میری اِس کاوش کو پسند و قبول کیا جائے گا۔ اگر اس خصوص میں میرے تحریر کردہ کسی لفظ یا جملہ سے مظلومین، متاثرین اور لواحقین کی دل آزاری ہوئی ہو یا ان کے حالات کی بھرپور یا صحیح عکاسی نہیں کی گئی ہے تو میں صمیمِ قلب کے ساتھ ان سے معذرت خواہ ہوں۔ میں اُپنا فرض سمجھ کر ان کہانیوں کو ایمان داری کے ساتھ ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند کے عوام تک پہنچانا چاہتا ہوں اور دہشت گردوں کی بربریت، دہشت اور ہلاکت کی وحشت ناک تصویر دکھانے کا عزم کیا ہوں۔ کیوں کہ یہ دہشت گردانہ حملے

انسانیت ہی نہیں بلکہ ہماری تہذیب، ثقافت اور قومیت پر بھی حملے تھے۔ میری تصنیف ''ممبئی حملوں کے مظلومین'' معصوم انسانوں کی بے دردانہ موت پر رنج و غم کے اظہار کے ساتھ ان کے مظلوم پسماندگان کے صبر وضبط اور طاقتور عوام کے بے نظیر اتحاد و یکجہتی کی ترجمان بھی ہے۔!

مجھے اُمید ہے کہ ''ممبئی حملوں کے مظلومین'' کی یہ کہانیاں مظلومین کی آواز کے ساتھ قوم کے لیے دہشت گردی کے خلاف اتحاد کا پیام بھی ثابت ہوگی۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ عوام خوف و دہشت کے مقابل متحد رہیں اور سینہ سپر ہوکر آپسی دوستی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کے ذریعہ اندرونی و بیرونی دہشت گردی اور فرقہ پرستی کو شکست دیتے ہوئے ملک کو تباہی و بربادی سے بچائیں تاکہ ''ہمارا ہندوستان ہمیشہ سلامت رہے'' اور سارے جہاں میں اِس کی ''جئے ہو''۔!!

نومبر/۲۰۱۲

مظلومین کا غم خوار

محمد مجیب احمد

○☆○

سلامت رہے ہندوستاں ہمارا

26 نومبر 2008ء کی رات ہی سے وطنِ عزیز ہندوستان کے مالیاتی شہرِ عظمیٰ ممبئی پر ہلاکت انگیز دہشت گردانہ حملوں کا ہولناک سایہ منڈلانے لگا تھا۔ اس کا علم جمنا اور نہ ہی کسی کو ہوا۔ وہ روز کی طرح رات کے کھانے سے فارغ ہوکر اپنے گھر کے باہر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب کہ اس کا بیٹا اور پوتا کھانا کھا رہے تھے۔ بہو اور دو پوترے سونے کی تیاری میں تھے۔ اس دوران دو انتہائی مسلح بندوق بردار نوجوان دندناتے ہوئے کاما ہاسپٹل سے متصل تنگ گلی میں واقع اس کے مکان کے قریب پہنچ گئے۔

جمنا دہشت زدہ ہوکر ان سے پوچھنے لگی۔ تم لوگ کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟

ہم کون ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے جمنا پر بڑی بے رحمی سے گولیاں چلادیں۔۔

تڑ......تڑ......تڑ۔

جمنا خود کو بچاتی ہوئی دیوار کے پیچھے چھپ گئی۔ خوش بختی سے اسے گولیاں نہیں لگیں۔

وہ حواس باختہ سہمی سہمی ہانپنے لگی۔ اس کی سانس بے ہنگم ہوگئی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اور زبان خشک ہوکر حلق سے جالگی۔ سکتے کی حالت میں کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی۔ پھر اس نے اپنے بکھرے ہوئے حواس جمع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دیوار کی اوٹ سے دیکھا کہ ٹی شرٹ اور جینز پینٹ میں ملبوس وہ خونخوار حملہ آور جس کے بائیں کاندھے پر بیاگ لٹکا ہوا اور دائیں ہاتھ میں رائفل تھی، اس کے بیٹے واگھیلا سے تحکمانہ لہجہ میں کہنے لگا

کیا تم ہمیں پانی پلاؤ گے؟

واگھیلا نے انسانیت کا لحاظ کرتے ہوئے دہشت اور وحشت کی کیفیت میں بھی اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے پانی کا گلاس تھمادیا۔ پانی پینے کے فوری بعد اس درندہ صفت بندوق بردار نے درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے محسن و ہمدرد، واگھیلا کے انسانیت بھرے سینے میں نہایت بے دردی سے گولی ماردی۔

مظلوم واگھیلا کی زبان سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔ ''ظالم بھیڑیئے''۔

اس کے بعد وہ بے ہوش ہوکر جان کنی کے عالم میں چلا گیا۔!

جمنا دور کھڑی بے بسی سے یہ وحشیانہ منظر دیکھتی رہ گئی۔ اسے ایسا لگا کہ اس کا جگر لخت لخت ہوگیا ہے۔ دل سے خون رس رہا ہے اور جسم سے روح نکل گئی ہے۔ قاتلانہ حملہ کے فوری بعد وہ چکراتی اور لڑکھڑاتی ہوئی نیم جان بیٹے کے پاس پہنچی تو وہ خون میں لت پت تڑپ رہا تھا۔ اسے اپنی بدنصیبی پر پچھتاوا ہوا کہ کاش - بیٹے کی بجائے وہ خود ہی ہلاک ہوجاتی تو اسے یہ دل دوز اور ہلاکت خیز نظارہ دیکھنا نہ پڑتا۔ جان لیوا صدمہ سے دوچار جمنا دیوانہ وار دوڑتی ہوئی اپنے پوتے سے لپٹ کر دھاڑیں مارتے ہوئے رونے لگی۔ جو اس خونیں منظر سے گھبرا کر گھر کے کونے میں دبک گیا تھا۔ بڑا ہی دردناک ماحول تھا۔ سارے علاقہ میں کہرام اور صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔ اس دہشت ناک حملہ پر ہر ہندوستانی

گریہ کناں اور نوحہ خواں تھا۔!

سوگوار جمنا اور اس کے غمگسار ارکانِ خاندان نے ساری رات خوف و دہشت کی آزمائش کے ساتھ سخت اضطراب ونہایت کرب کی کشمکش میں بسر کی۔ صبح انھیں شدید زخمی واگھیلا کے جانبر نہ ہونے کی روح فرساء اطلاع دی گئی۔

''نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ میرا بیٹا مرا نہیں۔ وہ اَمر ہے۔ انسانیت کی خاطر اس نے گولی کھا کر موت کو گلے لگایا ہے۔ مجھے فخر ہے کہ اس نے دنیا کو انسانیت کا پیام اور ہمدردی کا سبق دیا ہے۔ جب تک انسانیت زندہ ہے اس کا انسانی کردار اور ہمدردانہ برتاؤ باقی رہے گا''۔ جمنا آہ وزاری کرنے لگی۔

ایک عرصہ گزرنے کے بعد بھی جمنا اس خونچکاں سانحہ اور صدمۂ جانکاہ سے سنبھل نہیں پائی ہے۔ عمر بھر کا سہارا بیٹے واگھیلا کی ناگہانی ہلاکت اور خود اس کی جان لینے کی گھناؤنی حرکت کا ناقابل فراموش دہشت گردانہ حملہ کا تصور اسے دن میں سکون سے سانس لینے نہیں دیتا۔ اس رونگٹے کھڑے کردینے والے واقعہ کو یاد کر کے اس کی راتوں کی نیند بار بار ٹوٹ جاتی ہے۔ اسے یوں لگتا ہے کہ پھر کوئی دہشت گرد حملہ آور اس کے مکان میں گھس آیا ہے اور اسے اور اس کے افراد خاندان کو گولیوں کا نشانہ بنادینا چاہتا ہے۔ جمنا نے رات کے کھانے کے بعد گھر کے آگے بیٹھنا چھوڑ دیا ہے۔ اسے اب بھی وہی خونیں نظارہ اس کے سامنے گھومتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اولاد کی موت کے غم سے پتھر کا دل بھی شق ہوجاتا ہے۔ اور پھر وہ موت جو ایک ماں نے خود اپنی ممتا بھری آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اس کا اندازہ تو بس وہی کرسکتی ہے۔ اسے دن کا چین اور رات کا سکون نصیب نہیں ہے۔ جمنا شب بیداری کی عادی بن گئی ہے۔ راتوں کو کبھی چپکے چپکے آنسو بہاتی ہے تو کبھی اس کی آہ و فغاں گھرے سناٹے کا سینہ چاک کردیتی ہے۔ اُس کے درد بھرے نالے سب کے دلوں

کے چھالے بن جاتے ہیں۔!

زندہ درگور جمنا انتہائی اذیت وکرب سے پوچھتی ہے کہ ''میرے بیٹے کو گولی مار دینے سے اس خونی کو کیا ملا؟ کیا پانی پلانے والے پر کوئی گولی چلا دیتا ہے؟ ایسا سنگ دلانہ سلوک تو کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ وہ بندوق بردار حملہ آور تو واقعی قصاب اور خون کا پیاسا ہے۔ اس کی پیاس پانی سے کیا بجھتی؟

واگھیلا کی بیوی اپنا سہاگ لٹ جانے کے بعد بیوگی کا سفید ماتمی لباس پہنے، جیسے زندہ لاش بن گئی ہے۔ شوہر کی دائمی مفارقت نے اسے نیم مردہ بنا دیا ہے۔ وہ دن تو سرکاری جی ٹی ہاسپٹل میں مہلوک شوہر کی جگہ ملی جاروب کشی کی ملازمت میں مصروف رہ کر گذار دیتی ہے۔ لیکن رات کو شوہر کی یاد کی کسک اسے ستاتی رہتی ہے۔ وہ آہیں اور سسکیاں بھرتی ہوئی کروٹیں بدلتی ہے۔ اس کی تڑپ سب برادرانِ وطن کو خون کے آنسو رُلاتی ہے۔ باپ کی اندوہناک ہلاکت سے مغموم اور شفقت سے محروم اس کے معصوم ویتیم بچے یہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں کہ ہم نہیں چاہتے کہ پھر کبھی ہمارے ملک ہندوستان کو ایسے دہشت گردانہ حملہ کا سامنا کرنا پڑے اور نہ ہی کوئی ہندوستانی ہماری طرح یتیم و بے سہارا ہو جائے۔!

''اس قاتل قصاب کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کے نو، خونخوار دہشت گرد ساتھیوں کی طرح اس کا انجام بھی موت ہونا چاہئے۔ جنھوں نے اپنی مہلک کارروائی سے کئی بے قصور ہندوستانیوں کی خوشیوں بھری زندگیاں ختم کر دی ہے۔ لاتعداد بے گناہ لوگوں کو اپاہج بنا کر ہمیشہ کے لئے لمحہ بہ لمحہ تڑپنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور ہزاروں معصوم انسانوں کے قتل وخون کا جو سفاکانہ کھیل کھیلا ہے اسے انسانیت کبھی معاف نہیں کرسکتی۔ ایسے انسانیت اور ملک وقوم کے دشمنوں کو فوری عبرت ناک سزائیں دی جانی چاہئے تاکہ آئندہ

پھر کوئی مائی کا لال ہندوستان پر دہشت گردانہ حملہ کی جرأت نہ کر سکے اور نہ ہی اس کے استحکام و سلامتی کے ساتھ کھلواڑ کی ہمت کرے۔ یہ آواز صرف میری انفرادی نہیں بلکہ سارے ہندوستانیوں کی اجتماعی درد انگیز آواز ہے"۔ دکھی اور غمخوار جمنا نے پُرجوش انداز میں حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر کہا۔!!!

○☆○

رُلاتا ہے ترا نظارہ مجھ کو......

شہریانِ ممبئی کے لئے 26 نومبر 2008ء کا دن معمول کے مطابق گذر چکا تھا۔ لیکن رات ساڑھے نو بجے کے بعد شہر کے تمام حالات یکسر بدل گئے تھے۔ اچانک مختلف مقامات پر فائرنگ، دھماکے اور گرینیڈ حملے شروع ہو گئے تھے۔ فضاء میں گولیوں اور دھماکوں کی آوازوں سے ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ خون ریز حملوں اور ہلاکت خیز وارداتوں سے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا تھا۔ پلک جھپکتے ہی شہر کے پرسکون حالات، دہشت اور ہلاکت سے اس قدر بھیانک حد تک متاثر ہو گئے تھے کہ پوری قوم اذیت اور کرب سے تجس اور تشویش کے عالم میں ٹیلی ویژن پر دہشت گردانہ حملوں کے دردناک مناظر کا اس طرح مشاہدہ کر رہی تھی کہ گویا انھیں نہ چاہتے ہوئے بھی سنسنی خیز اور ناقابلِ قیاس فلم دکھائی جارہی ہو جس کا کوئی اختتام نہ تھا اور جو اُن کے لئے ناقابل قبول تھی۔!

تاج اور اوبرائے جیسی پانچ ستارہ ہوٹلوں میں جاری خوشیوں کی محفلیں ماتم میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ جہاں بے شمار مہمان جو رات کا کھانا کھانے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

انھیں مسلح دہشت گرد حملہ آوروں نے اپنی AK47 رائفلوں 36mm پستولوں سے لقمہ اجل بنادیا تھا۔ اوران کی بندوقوں کی خوفناک آوازوں نے مسحور کن موسیقی اور گیتوں کی صداؤں کا گلا گھونٹ کر ہر سو گہرا سکوت اور موت کا سناٹا طاری کردیا تھا۔ ہنگامہ انگیز ماحول دیکھتے ہی دیکھتے ہلاکت خیز خاموشی میں ڈھل گیا تھا۔ خوشیوں سے سرشار اور مسرتوں سے مسرور انسانوں کو لہولہان کر کے بغیر کسی جرم و گناہ کے جان لیوا سزا دیتے ہوئے انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کی وادیوں میں سُلا دیا گیا تھا۔!

ٹیلی ویژن کا عملہ دہشت گرد جنونی بھیڑیوں کی ہلاکت انگیز فائرنگ اور دھماکہ خیز حملوں کی خوف زدہ اور وحشت ناک کارروائیوں کی منظرکشی میں مصروف تھا۔ پھر ساری قوم چھترپتی شیواجی ٹرمنل (CST) ریلوے اسٹیشن کا وہ انسانیت سوز نظارہ دیکھ کر لرز اُٹھی جب دہشت گرد اجمل قصاب نے خبطی انداز میں اپنی رائفل سے ایک دس سالہ کمسن لڑکے کو گولی کا نشانہ بناتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور یہ تصدیق کے لئے کہ آیا وہ لڑکا فوت ہو چکا ہے یا نہیں؟ پھر دوبارہ اس شدید زخمی اور جان کنی کے عالم میں تڑپتے ہوئے لڑکے پر خون خوار طریقہ سے گولیوں کی بوچھار کردی۔ تاوقتیکہ گولیوں سے چھلنی اس کے جسم سے روح پرواز نہیں کرگئی۔ اس ہلاکت خیز منظر اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی کارروائی سے یوں دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے کوئی بھوکا بھیڑیا اپنی بھوک مٹانے کے لئے معصوم شکار کو دبوچتے ہوئے ہلاک کر کے اپنا نوالہ بنا رہا ہو۔!

''دہشت گردوں کے لئے دہشت و ہلاکت خیز اقدام ہی انسانیت کی تمام اقدار پر مقدم ہوتے ہیں۔ وہ انسانیت اور انسانی احساسات سے عاری افراد ہوتے ہیں۔ جن کے اندر حیوانیت اور شیطانیت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں''۔ اس قول کو اجمل قصاب نے بالکل سچ کر دکھایا تھا۔ ''میں اس زندہ بچ جانے والے بندوق بردار کو جلد ہی پھانسی پر لٹکتا

ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دن جلد ہی آئے گا۔ جس کے ہم سبھی بے قراری سے منتظر ہیں۔ حیوانیت پر یقین رکھنے والے حیوان نما انسان اجمل قصاب اور اس کے ساتھیوں نے انسانی زندگیوں سے کھلواڑ کرتے ہوئے دہشت پھیلا کر ہم میں سے ہر ایک کو صدمہ سے دوچار کر دیا ہے''۔ اس واقعہ کی چشم دید گواہ نوعمر دیویکا روتون نے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے دردانگیز لہجہ میں کہا۔

تیرہ سالہ آٹھویں جماعت کی طالبہ دیویکا اس بدنصیب رات کو سی ایس ٹی ریلوے پلیٹ فارم پر اپنے والد نٹور لال اور بھائی آکاش لال کے ساتھ ٹرین کا انتظار کر رہی تھی۔ اس وقت دو اسلحہ سے لیس دہشت گردوں نے ریلوے اسٹیشن کی انتظار گاہ میں جہاں عوام کا کثیر ہجوم تھا۔ وہاں داخل ہو کر بے تحاشہ فائرنگ کا آغاز کر دیا تھا۔ جس کی زد میں آکر کئی لوگ جاں بحق اور مجروح ہو گئے تھے۔ مگر وہ گولی کا نشانہ بن کر موت کے منہ سے بچ نکلی تھی۔ اپنے دائیں پیر میں گولی لگنے سے وہ بُری طرح زخمی ہو گئی تھی۔ دیویکا عدالت میں بیان دینے والی سب سے کم عمر گواہ تھی۔ اس نے زخمی حالت میں سسکتے اور کراہتے ہوئے اپنے اطراف لوگوں کو دم توڑتے اور زخموں سے تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔۔

''میں اس المناک سانحہ کے صدمہ سے کافی دنوں تک گھر سے باہر نہیں نکل سکی۔ آج میں ٹھیک ہوں۔ مگر مجھے چلنے میں اب بھی دقت پیش آرہی ہے۔ اس کے باوجود میری تعلیم اچھی طرح جاری ہے''۔ مغموم دیویکا نے عزم واستقلال سے کہا

ٹکڑے ٹکڑے ہوئیں وہاں خوشیاں
گھس گیا جس جگہ ستم خونیں

○☆○

آشیاں اُجڑ گیا

نئی نویلی دلہن آمینہ بیگم کا تعلق ریاست آندھرا پردیش کے ضلع نظام آباد سے تھا۔ وہ اپنے والدین، بھائی اور بھابھی کے ساتھ کرناٹک میں واقع درگاہ بیجاپور کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد ممبئی روانہ ہوگئی تھی۔ جہاں وہ اور اس کے اراکینِ خاندان درگاہ حضرت حاجی علیؒ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ ممبئی میں دو دن کے قیام کے بعد سب لوگ واپس اپنے گھر لوٹنے کی خاطر 26 /نومبر کی رات چھترپتی شیواجی ریلوے اسٹیشن (سی ۔ایس ۔ ٹی) پہنچے۔ لیکن دیواگری ایکسپریس چھوٹ جانے کے سبب انھوں نے صبح کی ٹرین سے لوٹنے کے لئے تمام شب ریلوے فارم پر گذارنے کا فیصلہ کرلیا اور وہیں ٹھہرے رہے!

اُس ہلاکت خیز رات تقریباً نو بجے اچانک پلیٹ فارم پر چند نوجوانوں کی ٹولی آگئی اور چاروں طرف خوف وہراس پھیلاتے ہوئے اندھادھند فائرنگ کا آغاز کردیا۔ آمینہ بیگم اور اس کے گھر والے کچھ بھی نہیں سمجھ سکے کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ فائرنگ کی بھیانک

آوازیں سنتے ہی لوگوں نے پلیٹ فارم پر لیٹنا شروع کر دیا۔ یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر آئینہ بیگم کی سات سالہ کمسن بھانجی انجم خوف زدہ ہو کر اُٹھ کھڑی اور بھاگنے لگی۔ بھتیجی کا تعاقب کرتے ہوئے وہ پکارنے لگی

''انجو۔ بھاگو مت، رُک جاؤ۔ ورنہ گولی لگ جائے گی''۔

اس اثناء میں ایک دندناتی ہوئی گولی آئینہ بیگم کے حلق پر لگی اور چہرہ کو پھاڑتے ہوئے نکل گئی۔۔

''اُف۔ یا اللہ'' اس کی زبان سے صرف یہی الفاظ نکلے۔ خون کے فوارے آئینہ بیگم کے حلق سے اُبلنے لگے تھے۔ وہ لہولہان حالت میں تڑپتے اور سسکتے ہوئے برسر موقع دم توڑ گئی۔!

آئینہ بیگم کی بہیمانہ ہلاکت دیکھ کر اس کی والدہ شاہ نور بیگم پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ دم سادھے ہوئے کبھی بیٹی کو دیکھتی تو کبھی اپنے خاوند اور بیٹے کو۔

جیسے وہ پوچھنا چاہ رہی ہو کہ یہ خون خوار بھیڑیئے کون ہیں؟ اور کیوں ہمیں ہلاک کر رہے ہیں؟ پھر کچھ دیر بعد وہ سکوت توڑتے ہوئے چیخ پڑیں۔

''ہائے۔ ظالمو! تم نے سرخ لباس میں ملبوس دلہن کو کیوں سرخ لہو میں رنگ دیا؟ یہ کیسا قہر و غضب ہے؟ ہم سب نے کسی کا کیا بگاڑا ہے'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے ہچکیاں لینے لگیں۔!

''ارے۔ تم حیوان۔ اور درندے ہو۔ تم ہرگز انسان نہیں ہو سکتے۔ تم وحشی ہو۔ کیوں بے قصور انسانوں کی زندگیوں سے کھلواڑ کر رہے ہو''۔ عبدالرشید کی دردانگیز صدا صرف گونج کر رہ گئی۔

اس سے پہلے کہ آئینہ بیگم کے اراکین خاندان آگے کچھ کہتے اور سنبھل پاتے دو

سنسناتی ہوئی گولیاں اس کے والد کے ہاتھ اور پیر کو چھید کر نکل گئیں۔ وہ بُری طرح خون میں لت پت چلاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔ انھیں جے جے ہاسپٹل منتقل کرنے پر سرجری کے ذریعہ دائیں ہاتھ کی اُنگلی علیحدہ کر دی گئی۔ جب کہ پیر میں گہرا گھاؤ پہنچا تھا۔!

''ہمارا تعلق غریب کنبہ سے ہے۔ میری بہن آمینہ بیگم کی شادی چھ مہینے قبل ایک نیک صفت نوجوان شیخ عبدالحمید سے ہوئی تھی۔ جو اتفاق سے ہم سب کے ساتھ ممبئی نہ آسکے۔ یکلخت اور لگاتار ہوئی فائرنگ کی زد میں آکر بے حساب معصوم اشخاص جاں بحق اور مجروح ہو گئے۔ پُرہجوم پلیٹ فارم پر ہو رہی خون ریز فائرنگ دیکھ کر ہم سب گھبرا گئے۔ پھر اس کا رُخ ہماری سمت ہو گیا جس کا نشانہ میری بہن اور والد بن گئے۔ جب ہلاکت خیز فائرنگ کا سلسلہ بند ہوا تو ہمارے اطراف بے شمار خود آلود نعشیں پڑی ہوئی تھیں اور کئی افراد گھائل ہو کر شدتِ اذیت سے آہ و فغاں کر رہے تھے۔ میری ماں، بیٹی اور میں کسی طرح بچ گئے جو معجزہ سے کم نہیں ہے''۔ آمینہ بیگم کا بھائی محبوب اس ہولناک حملہ کی وحشتناک کہانی سناتے ہوئے گریہ وزاری کرنے لگا۔!

جب آمینہ بیگم کی میت اس کے سرالی مکان پر لائی گئی تو عوام کی کثیر تعداد اس کے دیدار کے لئے اُمڈ پڑی۔ اس اندوہناک سانحہ سے سارے علاقہ میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔ ہر شخص رنج و غم میں ڈوبا ہوا مہلوک کے پسماندگان سے دلی اظہار تعزیت اور دہشت گردانہ حملوں کی سخت مذمت کر رہا تھا۔ آمینہ بیگم کا سوگوار شوہر صدمہ جانکاہ سے نڈھال ہو کر آہیں بھرتے ہوئے کہے جا رہا تھا۔

''امّو۔ تم مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جاسکتیں۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم نے تو ساتھ جینے اور مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ تم مجھے اپنے پاس بلا لو''۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد دو جوان دلوں کا پیار بھرا آشیانہ پھر سے ماتم کدے میں

بدل گیا تھا۔ لوگ اس دفعہ شیخ عبدالحمید کے لواحقین کو پرسہ دے رہے تھے۔ وہ ایک خوفناک سڑک حادثہ کا شکار ہو کر شدید زخموں سے جانبر نہ ہو سکا تھا۔

آہ! بے چارہ شریک حیات کی ہجرت کا دُکھ برداشت نہ کر سکا۔ اور چل بسا۔

غمزدہ اور شہید شیخ عبدالحمید کی تدفین کے اختتام پر اس کے قریبی رشتہ داروں نے نہایت رقت انگیز لہجہ میں کہا۔ !!!

ہم سے یوں زندگی بسر نہ ہوئی
تم سے بچھڑ کر پھر سحر نہ ہوئی

○☆○

بہتے آنسو

ممبئی کے سینٹ جارج ہسپتال کے داخلی دروازے سے اندر وارڈ تک لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ہر کوئی لاشوں میں کسی اپنے کی لاش کو تلاش کر رہا تھا۔ شیلا کھرت ہسپتال کے انتظار گاہ میں بینچ پر بیٹھی ہوئی زار و قطار رو رہی تھی۔ اسے اپنی ماں کی لاش ملنے کا انتظار تھا۔ پولیس کاغذی کارروائی پوری کرنے میں مصروف تھی۔!

شیلا کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ وہ تو انھیں اور بھائی بالا جی کو شولا پور جانے والی ٹرین ''سدیشور ایکسپریس'' میں سوار کرانے آئی تھی۔ اس کی ماں، دیوی تلجا پوری کے درشن کرنے جا رہی تھیں۔ وہ سب چھتر پتی شیوا جی ٹرمنل (CST) کے پلیٹ فارم پر ٹرین کے منتظر تھے۔!

رات کے دس بجے کے قریب یکا یک کہیں سے موت کے فرشتوں کے روپ میں ہاتھوں میں مشین گن لئے دو نوجوان آئے۔ پھر وہ اندھا دھند گولیاں چلاتے ہوئے لوگوں کو بھونتے چلے گئے۔ دو گولیاں شیلا کی ضعیف ماں کو لگیں جو موقع واردات پر ہی دم توڑ گئی۔

جب کہ اس کے بھائی کے پیر میں ایک دندناتی ہوئی گولی پیوست ہوگئی تھی۔!

دو ماہ قبل ہی شیلا کے باپ کا انتقال ہوا تھا۔ اس کی ماں ان ہی کی آتما کی شانتی کے لئے دیوی کے درشن کے لئے جانا چاہتی تھی۔ لیکن اچانک چند منٹوں میں سب کچھ ہوگیا۔ جس کا انھیں خواب وخیال میں بھی اندازہ نہیں تھا۔!

''میں پہلے ہی یتیم تھی اور اب یسیر بھی ہوگئی ہوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی سہارا نہیں رہا۔ بڑا بھائی بھی شدید زخمی ہے۔ وہ رکشہ چلاتا ہے۔ اگر پیر کا زخم ٹھیک نہیں ہوا تو پھر کیا ہوگا؟'' شیلا آہ وفغاں کرتے ہوئے مسلسل روئے جارہی تھی اور خود ہی اپنی ساڑی کے پلو سے اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھنے لگی تھی۔ اس کے آنسو پونچھنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔!!!

○☆○

عید جو ماتم بن گئی

پانچویں جماعت کا طالب علم بارہ سالہ افروز انصاری جے جے ہاسپٹل کے وارڈ نمبر (17) میں موت سے نبرد آزما تھا۔ اس کا تعلق ریاست بہار کے نواڈیہہ ضلع کے منان پور علاقہ سے تھا۔ وہ اپنے ارکانِ خاندن کے ساتھ ممبئی سیر و تفریح کے لئے آیا تھا۔ جہاں اس کے بڑے بھائی ملازمت کرتے ہیں۔ جب کہ اس سے تین چھوٹے بھائی اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔ ان سب کا گھریلو اور تعلیمی خرچ بڑے بھائی ہی برداشت کرتے ہیں۔!

ممبئی میں قیام کے بعد افروز انصاری اپنے اہل خانہ کے ہمراہ بقرعید منانے کے لئے اپنی پھوپی زرینہ خاتون انصاری کے مکان جو ریاست جھارکھنڈ کے ضلع کوڈرمہ میں واقع ہے۔ وہاں جانے کے لئے چھترپتی شیواجی ٹرمینس (سی ایس ٹی) پہنچے تھے۔ لیکن تاخیر کے باعث ٹرین میں سوار نہیں ہو سکے تھے۔ اس اثناء میں اس کے چھ افرادِ کنبہ سی ایس ٹی ریلوے اسٹیشن پر ہوئی اندھا دھند فائرنگ کی زد میں آکر دہشت گردی کا شکار بن گئے تھے۔ جن میں عباس انصاری، عقیلہ انصاری، عارف انصاری، الیاس انصاری، سرفراز

انصاری اور مرتضیٰ انصاری شامل تھے۔ ان سب کی آخری رسومات پوسٹ مارٹم کے بعد ممبئی میں ہی ادا کردی گئی تھیں۔!

جب افروز انصاری اور اس کے گھر والے ٹرین نہ ملنے کے بعد ریلوے پلیٹ فارم پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت گولیاں چلنے اور بم دھماکے کی آوازیں آئیں۔ اس کے بعد کیا ہوا۔؟ اسے کچھ بھی ہوش نہ رہا...... رات کے تقریباً 9 بجکر 24 منٹ پر دو مسلح حملہ آور دہشت گردوں نے چھترپتی شیواجی ٹرمینس کے اندر اور باہر فائرنگ شروع کی تھی۔ جس کا سلسلہ کئی منٹوں تک جاری تھا۔ جس کے باعث سینکڑوں لوگ موقعِ واردات پر ہی دم توڑ دیئے تھے۔ پہلے انھوں نے مین لائن ٹرمینس پھر اس کے بعد مضافاتی سیکشن جیسے پرہجوم مقامات کو اپنا نشانہ بنایا تھا۔!

فیروز تین دن کے بعد اب بولنے لگا ہے اور ظاہر ہے کہ اسے ابھی کیسے بتایا جائے کہ اس جہاں میں اس کے سب اپنے پیارے لوگ نہیں رہے۔ اس کے ماموں زاد بھائی منصور جو دواخانے میں اس کی تیمارداری کررہے تھے وہ نہایت دردناک انداز میں کہنے لگے۔۔

"اس کمسن کو حقیقت میں یہ نہیں پتہ تھا کہ اس کے والدین، ماموں، بہن، بہنوائی اور ایک بھائی جو اسی مقام پر لگاتار دندناتی ہوئی گولیوں کی بوچھار کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ وہ اب اس عالم سے رخصت ہوچکے ہیں۔!

بھائی منصور! کہتے ہیں کہ مجھے بم کے چھرّے لگے ہیں۔ اس کے سوا مجھے کچھ علم نہیں ہے"۔ افروز انصاری نے نحیف آواز میں بتایا۔

افروز انصاری کے علاوہ اس سے بڑا ایک اور بھائی 19 سالہ محبوب انصاری بھی پریل (Parel) ہاسپٹل میں داخل تھا۔ اس کی بھی حالت نازک تھی۔

''میں سی ایس ٹی پر حملے کا وہ ہلاکت خیز اور خون ریز منظر کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہاں پر کئی لوگ خون سے لت پت پڑے تھے اور دیگر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔ اس المناک واقعہ کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کروں گا۔ محبوب انصاری نے بڑی دقت کے ساتھ آہستگی سے کہا۔

زرینہ خاتون انصاری جس کے یہاں سب لوگ ایک ساتھ مل کر عیدالاضحیٰ منانے کے لئے ممبئی سے کوڈرمہ روانہ ہورہے تھے۔ اسے جب یہ اندوہناک اطلاع ملی تو وہ اپنے بھائی عباس انصاری اور دوسرے رشتہ داروں کی اچانک ہلاکت پر زار وقطار روتے ہوئے بار بار بے ہوش ہونے لگی تھی۔

ہائے۔ یہ سب کیسے ہوگیا؟ ان لوگوں کو مجھ سے عید ملنے سے پہلے ہی موت نے کیوں اپنے گلے لگا لیا؟ اپنوں کو کھو کر میں اب کیسے زندہ رہوں؟ ظالم قاتلو! تم نے انھیں کس جرم کی سزا دی؟ مجھے بتاؤ۔ زرینہ خاتون کے پُرسوز نالوں سے اس کا گھر ہی نہیں بلکہ سارا گاؤں، عید کی خوشیوں کی بجائے آہوں سے ماتم کدہ بن گیا تھا۔!!!

○☆○

دہشت اور انسانیت

ڈاکٹر پرشانت منگیشکر اپنی اہلیہ ڈاکٹر ٹیلو اور کالج میں زیرِ تعلیم بیٹی کالندی کے ساتھ اپنے عزیز کی شادی کے استقبالیہ میں شرکت کے لئے تاج محل ہوٹل پہنچے تھے۔ جہاں ہوٹل کے خوشنما اور دیدہ زیب 'کرسٹل ہال' میں شاندار عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جب وہ خیر مقدمی راہداری کی جانب آگے بڑھے تو انھیں گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ جسے انھوں نے پٹاخے کا دھماکہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اپنے اطراف بھیانک فائرنگ اور خوفناک گرینیڈ دھماکوں کی آوازیں سن کر وہ دہشت زدہ ہوگئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے پوری ہوٹل دہشت گردانہ حملوں کی لپیٹ میں آگئی۔ تقریب میں آئے ہوئے مہمانوں کو کرسٹل ہال میں جہاں کہیں محفوظ جگہ دستیاب ہوئی انھوں نے وہیں حملوں سے بچنے کے لئے پناہ لے لی تھی۔!

کرسٹل ہال میں کئی گھنٹوں تک روپوش رہنے کے بعد لوگ اُکتا کر افراتفری کے عالم میں باہر جانا چاہتے تھے مگر ہوٹل کے اسٹاف نے کسی کو بھی باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر

جیسے ہی کمانڈوز کی آمد ہوئی تو سارے لوگوں پر دہشت طاری ہونے لگی۔ اگرچہ موت کا خطرہ اب بھی منڈلا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے گولیوں اور بموں کی صدائیں سکوت کا سینہ چاک کرتے ہوئے لرزہ پیدا کر رہی تھیں۔!

''اب آپ کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی حفاظت کے لئے مسلح دستے آچکے ہیں اور جلد ہی حملہ آوروں پر قابو پالیا جائے گا''۔ ہوٹل کے ملازمین اس کی اطلاع دیتے ہوئے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔۔

یہ سنتے ہی لوگوں کے چہروں پر بدحواسی سے جو ہوائیاں اڑ رہی تھیں وہ اب ختم چکی تھیں۔ سب نے اطمینان کی سانس لے کر اپنے سروں کو تشکر آمیز انداز میں اوپر اُٹھا کر مالکِ دوجہاں کا شکر ادا کیا۔ کسی کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تو کسی نے آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں شکریہ بجالایا تھا۔!

''ہوٹل میں گزرے ہوئے بارہ گھنٹے ہمارے لئے دوزخ کی طرح ثابت ہوئے تھے۔ ہمارے لئے میز کے نیچے چھپ جانے کا اتفاق بڑا ہی تعجب خیز تھا۔ وہیں سے ہم نے اپنے بیٹے کو فون کیا تھا۔ لیکن جب کمانڈوز نے فون بند کر دینے کی ہدایت دی تو ہم نے اس پر عمل کیا''۔ ڈاکٹر پرشانت کہنے لگے۔

سحر کے تین بجے جب تمام لوگوں کو کرسٹل ہال سے محفوظ چیمبر میں منتقل کیا جا رہا تھا تو اس دوران اچانک فائرنگ کی آواز پھر گونج اُٹھی اور ایک شخص جو ڈاکٹر پرشانت کے بالکل ہی بازو تھا، اس کے پیٹ میں سنسناتی ہوئی گولی پیوست ہوگئی۔ وہ شدتِ تکلیف سے تڑپنے لگا تھا۔ ایسے ہلاکت خیز ماحول میں بھی ڈاکٹر پرشانت اور ڈاکٹر ٹیلو نے اپنے پیشۂ خدمتِ خلق کو فراموش نہیں کیا بلکہ انسانی ہمدردی جو اس پیشہ کی خاصیت ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر زخمی شخص کو فوراً اُٹھا کر چیمبر میں لے آئے اور اس

کی زندگی بچانے کی کوشش میں جُٹ گئے۔ ان ہنگامی حالات میں جو بھی پہلی طبی امداد مہیا تھی اسے فراہم کرنے لگے مگر وہ زخم سے بہتے ہوئے خون کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر ٹیلو جو ایمر جینسی خدمات کی انجام دہی میں ماہر تھی۔ اس نے رِستے ہوئے خون کو روکنے کے لئے گھائل شخص کے پیٹ کے گرد چادر باندھ کر وہاں موجود محافظ دستے کے حوالے کر دیا جنھوں نے ایمبولینس کے ذریعہ بروقت اسے دواخانہ میں شریک کروا دیا تھا۔ اس ڈاکٹر جوڑے نے وہی کیا جس کا انھیں درس دیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنے پیشے کا فرض اور ذمہ داری بخوبی نبھائی تھی۔!

ڈاکٹر پرشانت جو اپنی مصروفیت کی بناء پر تقریب استقبالیہ میں شرکت سے گریز کر رہے تھے۔ اپنی بیوی اور بیٹی کے اصرار پر دعوت قبول کی تھی۔ کسی انسان کی جان بچانے پر وہ اب انتہائی خوش نظر آ رہے تھے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ قدرت ان سے انسانیت کی اتنی عظیم خدمت لینے والی تھی۔!!!

○☆○
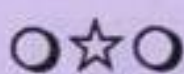
خوف ناک خواب

بورڈ آف کرکٹ کنٹرول فار انڈیا(BCCI) کے آڈیٹر پی بی سرینواس دہشت گردانہ حملہ کی رات کرشماتی طور پر دہشت گردوں کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ وہ ساڑھے نو بجے شب ہوٹل تاج محل میں بی سی سی آئی کے انکم ٹیکس معاملہ کی یکسوئی کے سلسلے میں منعقد ہونے والی میٹنگ میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ سرینواس نے تمام رات جاری بربریت اور ہلاکت انگیز گھناؤنی کارروائی کا انتہائی قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ خوش بختی سے چینائی محفوظ پہنچنے پر وہ بیحد مسرور تھے۔ آتش فرو عملہ نے ہوٹل سے جن یرغمالیوں کو پہلے رہا کروالیا تھا اس میں وہ بھی شامل تھے۔!

''میں ہوٹل کی قدیم عمارت کی تیسری منزل جو تاریخی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ وہاں دس بجے کے آس پاس داخل ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے دوستوں نے فون پر اس المیہ کی اطلاع دی تھی''۔ صدمہ سے نڈھال سرینواس نے ممبئی حملہ کے دہشت ناک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔۔

''سرینواس ۔ ! تم اپنے کمرے سے باہر نکل کر نیچے سیڑھیوں پر آنے کی کوشش مت کرو''۔ انڈین پریمیئر لیگ (IPL) کے عہدیدار پرسنا نے انھیں فون پر مطلع کیا تھا۔

اس اثناء میں جب انھوں نے جیسے ہی کمرے کا دروازہ کھولا تو باہر گولیاں چلنے کی بھیانک آوازیں سنائی دیں۔ وہ فوری دروازہ بند کر کے ہوٹل کے اسٹاف کے ذریعہ گڑبڑ کی وجہ دریافت کرنے لگے۔

مجھے بتاؤ کہ یہ فائرنگ اور ہنگامہ آرائی کی نوعیت کیا ہے''؟

سر ۔ ! آپ کمرے کا دروازہ کھولنے اور باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں۔ گردی کا ہمیں بھی کچھ نہیں پتہ''۔ اسٹاف ممبر نے سختی سے تاکید کی۔

سرینواس کمرے کی لائٹ کھلی رکھ کر ٹیلی ویژن دیکھنے لگے۔ انہوں نے ہوٹل میں ہو رہی ہلاکت خیزی کو مجرموں کی گروہی رقابت پر محمول کیا۔ انھیں قطعی علم نہیں تھا کہ دہشت گرد ہوٹل میں داخل ہو کر جان لیوا حملے کر رہے ہیں۔ پرسنا نے گیارہ بجے دوبارہ فون کر کے بتایا کہ ''تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس کے بعد وہ آگے کچھ بھی سن نہ سکے۔ کیوں کہ دورانِ گفتگو زبردست فائرنگ اور زوردار گرینیڈ بم دھماکوں کی لرزہ خیز صدائیں گونجنے لگی تھیں۔

''سر ۔ ! آپ برائے مہربانی کمرے کی لائٹ بند کر لیں''۔ ٹیلیفون آپریٹر نے آدھے گھنٹے کے بعد آوازیں تھمتے ہی پُرخلوص لہجے میں حفظِ ماتقدم کے طور پر انھیں ہدایت دی۔

''سرینواس ۔ ! تمہارا باہر نکلنا موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ حالات ہلاکت انگیز ہو چکے ہیں۔ دہشت گرد ہوٹل میں مہلک حملے کر رہے ہیں۔ ان پر قابو پانے کے لئے مسلح کمانڈوز دستے آچکے ہیں اور جلد ہی دہشت گردوں کا صفایا کر دیا جائے گا''۔ پرسنا نے انھیں پھر سے ٹیلی ویژن کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا۔!

راہل رادھا کرشنن جو اس وقت اڈیشہ کے شہر کٹک میں ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے ساتھ تھے۔ انھوں نے نصف شب کے بعد سرینواس سے خیریت دریافت کی۔

"سرینو۔! تم کیسے اور کن حالات میں ہو۔؟ ساری ٹیم ٹیلی ویژن پر دہشت گردانہ حملوں کی قیامت خیز کارروائی کا نظارہ کررہی ہے اور تمہارے تحفظ وسلامتی کے لئے دعا گو ہے"۔

جب ہوٹل کی عمارت میں آگ بھڑک اُٹھی تو سرینواس کو اپنی حفاظت کے ساتھ خطرہ کا احساس ہوا۔ وہ پریشانی کے عالم میں سوچنے لگے کہ آیا انھیں دروازہ کھول کر فرار ہوجانا چاہئے یا پھر مدد کے لئے انتظار کرنا پڑے گا؟ دھما کو صورتحال کا اب ان کو بخوبی اندازہ ہوگیا تھا۔ ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع ہونے کے سبب نہ تو انھیں کوئی تازہ خبر مہیا ہورہی تھی اور نہ ہی آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں واقفیت۔ وہ اپنی حفاظت کے لئے محفوظ پناہ گاہ کے متلاشی تھے۔ اسی کشمکش میں ان کی دُزدیدہ نگاہیں بار بار آسمان کی سمت اُٹھنے لگی تھیں۔ شاید "اوپر والے" نے ان کے دل کی آواز سن لی تھی اور ان پر رحم آگیا تھا۔ خوش قسمتی سے وہ جس کمرے میں مقیم تھے اس کی کھڑکیوں کا رُخ گیٹ وے آف انڈیا (Gate way of India) کی جانب تھا۔ تقریباً رات کے ڈھائی بجے جب اُنھوں نے دیکھا کہ اوپری منزل پر آتش فرو عملہ فائر انجنوں کے ساتھ آگ بجھانے اور بچاؤ کارروائی میں مصروف ہے تو وہ اس سنہری موقع کو غنیمت سمجھ کر فوری کمرے کی لائٹ کھول کر اپنا ہاتھ لہرانے لگے تاکہ فائر منوں کو اپنی طرف متوجہ کرسکے۔ جو فوکر لفٹ (Foker Lift) پر موجود تھے۔

"آپ جلدی سے کھڑکی کے باہر آجائیں"۔ فائر مین جواب میں کہنے لگے۔

کھڑکی سے باہر نکلنا مشکل ہے اور دروازہ بھی باہر سے بند کیا جاچکا ہے۔ سرینواس نے اشارہ سے اپنی مجبوری ظاہر کی۔

”تم گھبراؤ نہیں ۔ ہم کسی طرح تمہیں باہر نکال لیں گے“۔ فائر مینوں نے اطمینان دلایا۔

پھر وہ لوگ دوسرے کمرے کی کھڑکی کے شیشے توڑ کر اندر داخل ہو گئے اور سرینواس کے کمرے کا دروازہ کھول کر انھیں اپنے ساتھ نیچے اُتار لیا۔ اس وقت شب کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ جب سرینواس کو اس اذیت ناک اور تکلیف دہ لمحات سے نجات نصیب ہوئی تھی۔!

اس کے بعد وہ پُرسکون اور مطمئن ہو کر پرسنا کے ہمراہ صبح ساڑھے سات بجے والی انڈین ایرلائنس کی فلائیٹ جو دو گھنٹے تاخیر سے پہنچی تھی۔ اس کے ذریعہ چینائی بحفاظت واپس لوٹنے پر اللہ کا دلی شکریہ ادا کیا اور صمیمِ قلب سے دعا کی کہ وہ ہندوستان کو دہشت گردی سے ہمیشہ سلامت رکھے۔!

جب سرینواس نے رات کا وحشت ناک واقعہ یاد کیا تو انھیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ کوئی خوفناک خواب دیکھ کر بیدار ہوئے ہیں۔!!!

○☆○

انتظار

روزنامہ ''انڈین ایکسپریس'' کے سابق صحافی سانتونو سائیکیا دلّی سے ممبئی جارہے جہاز میں بیٹھے سسکیاں لے رہے تھے۔ وہ بہت ہی صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ لیکن پھر بھی بار بار آنسو ان کی آنکھوں سے ٹپک ہی جاتے۔ ان کی سسکیوں نے ہر مسافر کو اپنی جانب راغب کرلیا تھا۔ جہاز میں بڑا ہی سوگوار ماحول چھا گیا تھا۔ ہر مسافر مُسکت اور مبہوت تھا۔!

ایک مسافر نے بڑی ہمت سے پوچھ ہی لیا۔'' سر۔! آپ کو کیا پریشانی ہے؟ کیا آپ کے ساتھ کوئی المیہ پیش آیا ہے؟''

سائیکیا نے جواب دینے کی بجائے خود ہی پوچھا'' کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت ممبئی میں کرفیو نافذ ہے یا نہیں؟''

''ابھی تک جو اطلاع ملی ہے اس کے مطابق ممبئی میں کرفیو نہیں ہے۔ سر۔! آپ بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ کیا ہوا ہے؟'' مسافر دوبارہ پوچھنے لگا۔

''میری اہلیہ ہوٹل تاج میں ٹھہری تھیں۔ اس کا نام سینہ سہگل سائیکیا ہے''۔ یہ کہتے کہتے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

''سر۔! ابھی سے آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ ممبئ پہنچنے کے بعد ہی آپ کو ان کے بارے میں تفصیلات حاصل ہوں گی''۔ مسافر نے انھیں تسلی دینے کی کوشش کی۔ مگر سائیکیا کی پریشانی کم نہیں ہوئی۔ انھوں نے ایر ہوسٹس کی جانب سے پیش کئے گئے ناشتہ کو لینے سے انکار کر دیا۔

''آپ کی بیوی سے کوئی رابطہ ہوا ہے''؟ دوسرے مسافر نے جاننا چاہا۔

''اس کا آخری ایس ایم ایس (SMS) آج صبح کے پونے چار بجے (3:45) ملا تھا۔ تب سے رابطہ منقطع ہے''۔ انھوں نے انتہائی مایوسی سے کہا۔

جب ایک اور مسافر نے سائیکیا کے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے بات کرنی چاہی تو اس نے انھیں فوری ٹوک دیا۔

''دس از ناٹ اے اسٹوری، پلیز۔! ڈونٹ آسک اباؤٹ دس میٹر۔''

(This is not a story please! Don't talk about this matter)

یہ کوئی کہانی نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر گفتگو نہ کیجیے۔

آپ ان کی بات کا بُرا نہ مانیں۔ یہ میرے نسبتی برادر نکھل سہگل ہیں۔ ہم اس وقت سینہ سہگل کی زندگی کے تعلق سے نہایت فکر مند ہیں''۔ سائیکیا نے سرد آہ بھرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

ممبئ پہنچتے ہی سائیکیا اور نکھل سہگل دونوں مایوسی کی حالت میں ہوٹل تاج کے چکر لگاتے رہے۔ لیکن انھیں سارا دن اور رات دیر گئے تک بھی سینہ کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ وہ ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے رہے۔ مگر ان کے دل کا حال ان کی آنکھوں سے صاف ظاہر

ہو رہا تھا۔ ان کے آنسوؤں، آہوں، دھڑکنوں اور سسکیوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے؟ لیکن کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں پا رہے تھے۔ ہوٹل تاج کی کئی منزلوں سے رُک رُک کر فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ کمانڈوز آپریشن میں مصروف تھے۔ ممبئی کی علامت اور ہمیشہ روشن رہنے والی تاج ہوٹل تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی دھماکوں کے ساتھ ہوٹل کے کسی کمرے میں آگ لگ جاتی تھی۔

سبینہ سہگل نے ہوٹل پر حملہ کے بعد ایس ایم ایس کے ذریعے اپنے خاوند، بھائی، دوستوں اور ہوٹل کے ملازم کو حالات سے مطلع کیا تھا۔ ''ہوٹل میں اندھا دھند فائرنگ ہو رہی ہے اور استقبالیہ کاؤنٹر پر فون کو کوئی جواب نہیں دے رہا ہے۔ اس وقت میں بُری طرح کانپ رہی ہوں۔ میرے کمرے کے آگے بھیانک فائرنگ ہو رہی ہے۔ کھڑکی کے شیشے ٹوٹ چکے ہیں۔ ابھی ابھی میں نے دستی بم کا دھماکہ سنا ہے۔ یہاں افراتفری اور موت کا عالم ہے۔ مجھے یہاں سے نکالو۔ حملہ آور میرے باتھ روم میں گھس آئے ہیں''۔ انھوں نے جو آخری پیام پنجشنبہ کی صبح بھیجا تھا۔ وہ یہ تھا ''اب میں بیڈ کے نیچے چھپی ہوں اور بات کرنے کی حالت میں نہیں ہوں''۔ اس کے بعد ان کا کوئی میسج نہیں آیا۔ شوہر اور بھائی کافی انتظار کرتے رہے۔!

سبینہ سہگل ایک شادی میں شرکت کے لئے دلّی سے ممبئی آئی تھیں۔ تھکاوٹ کے سبب وہ جلد ہی ہوٹل واپس آگئی تھیں۔ تاج ہیریٹیج میں ان کا وہ نہایت آرام دہ اور خوبصورت کمرہ تھا جو تاج کے اصل گنبد سے متصل تھا اور جس کی کھڑکیاں سمندر کی طرف کھلتی تھیں۔ اس گنبد اور اس کے آس پاس والے کمروں میں سب سے پہلے آگ لگی تھی۔ جہاں سے پچاس گھنٹے گزرنے کے بعد بھی رہ رہ کر دھواں نکل رہا تھا۔ ہوٹل کے باہر زمین پر بیٹھے ہوئے کئی لوگوں کی نگاہیں اسی گنبد پر ٹکی تھیں اور وہ بس آخری مرحلہ کی

کارروائی کے منتظر تھے!

28 / نومبر کی صبح روزنامہ ''ٹائمز آف انڈیا'' (ممبئی) نے صفحۂ اول پر یہ سرخی جلی حرفوں میں نمایاں طور پر شائع کی۔ ''ہوٹل تاج پر حملہ کے بعد سینہ کی تلاش اب بھی جاری ہے۔ مگر ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا''۔ سینہ اس اخبار کی کنسلٹنگ ایڈیٹر (مدیر رابطہ) تھیں۔

کمانڈوز نے دلیرانہ کارروائی کرتے ہوئے عمارت سے تمام دہشت گردوں کا صفایا کردیا تھا۔ رات دیر گئے تک دھماکوں اور فائرنگ کی آوازوں کے بعد سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہوٹل کے بالائی حصے اور کمروں سے دھواں نکل رہا تھا۔ آگ پر قابو پالیا گیا تھا۔ کمروں کی تلاش جاری تھی۔ آپریشن ختم ہوچکا تھا۔ تصویر صاف ہوگئی تھی۔ تاج پر چھائے دہشت و ہلاکت کے کالے بادل چھٹ چکے تھے۔ پھر یہ خبر عام ہوگئی کہ اب ہوٹل میں کوئی یرغمالی نہیں ہے۔ اس کے باوجود سائیکیا اور نکھل یہی گمان کرتے رہے کہ سینہ زندہ سلامت باہر نکلے گی۔ ان پر جو بیت رہی تھی اسے وہی خوب جانتے تھے۔!

سینہ سہگل اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ وہ سب کو چھوڑ کر دہشت گردی کی نذر ہوچکی تھیں۔ لیکن اب بھی سب ان کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ نجانے وہ کب کسی کو اپنی سلامتی کا میسج بھیجے گی۔ سب اپنے اُداس دلوں کو یہی دلاسہ دے رہے ہیں۔ مگر کسی نے بھی ایک دوسرے سے یہ نہیں کہا کہ سینہ مرچکی ہے۔ اس کی محبت اور یاد تو شمعِ فروزاں کی طرح زندہ ہے۔ بھلا۔ ایسی زندہ دل شخصیت کو کون بھلا سکتا ہے۔!!!

مرنے والے مرتے ہیں فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

○☆○

ممبئی ! خوابوں کا شہر

جب سونیا ماسٹر ڈگری حاصل کرنے کے لئے دہلی سے ایڈنبرگ روانہ ہوئی تھی تو اس وقت اس کی عمر چوبیس سال تھی۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہندوستان لوٹی تو اپنے پیدائشی شہر دہلی کو خیر باد کہتے ہوئے عروس البلاد ممبئی کو اپنی مستقل رہائش گاہ کے طور پر اپنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس کے تصور میں ملک کا یہ مالیاتی مرکز گویا ''خوابوں کا شہر'' تھا۔ یہاں کی تیز رفتار ترقی، حرکیاتی اور دوڑتی شہری زندگی سے وہ بہت متاثر تھی۔ یہی سبب تھا کہ وہ اس جگمگاتے شہر میں مقیم ہوکر اپنی ادبی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ تاکہ اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرتے ہوئے اپنی منزلِ مقصود پا سکے۔!

سونیا کے بچپن کا ساتھی سچن بھی حال ہی میں امریکہ سے انڈیا لوٹا تھا۔ وہ بھی اپنے تابناک مستقبل کی خاطر ممبئی میں مستقل سکونت اختیار کرلیا تھا۔ سونیا کی بھی یہی خواہش تھی۔ سونیا کو بیرون ملک میں جو آزادی اور تحفظ کی طمانیت حاصل تھی۔ اسی طرح ممبئی میں بھی وہ خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔ اس روشنیوں کے شہر میں نسوانیت کی صیانت کی بھرپور ضمانت

تھی۔ اس احساس کی تقویت اسے دہلی سے ممبئی لے آئی تھی۔ اگرچہ وہ دہلی میں پلی اور بڑی ہوئی تھی۔ لیکن ممبئی کی اجنبیت میں اسے اپنائیت محسوس ہوئی تھی:

زندگی جب بھی تری بزم میں لاتی ہے ہمیں

یہ زمیں چاند سے بہتر نظر آتی ہے ہمیں

سونیا کو ممبئی کی آب و ہوا اور ماحول اپنے تخلیقی عمل کے لئے سازگار ثابت ہونے لگا تھا۔ وہ بغیر کسی ذہنی اُلجھن کا شکار ہوئے پوری آزادی کے ساتھ بحیثیت افسانہ نگار، زندگی کے تجربات، حادثات اور مشاہدات کو بچشم خود اپنی نظروں میں قید کر کے صفحۂ قرطاس پر ظاہر کرسکتی تھی۔ وہ کسی کی معیت کے بغیر رات دیر گئے تنہا، سلامتی کے ساتھ گھر لوٹ سکتی تھی۔ اسے اکیلا پن بالکل محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہاں آنے کے بعد اسے ذہنی اعتبار سے بلاغت اور عقلی طور پر شعوریت حاصل ہوئی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ زندگی کے تجربات ہی انسان کو جینے کا سلیقہ سکھادیتے ہیں۔ ممبئی میں ہی اسے گہرے مطالعہ کی عادت اور قلم کو جودت ملی تھی۔!

سونیا کے خیال میں ممبئی ہی ایسا شہر تھا جہاں ایک نوجوان خاتون قلمکار کو اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے سارے مواقع حاصل تھے۔ صنفِ نازک سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ بلاخوف وخطر نصف شب کو شروع ہونے والی محفلوں اور گینگسٹر کی جھڑپوں کی کہانیوں کو سپرد قلم کرسکتی تھی۔ اس کے نزدیک ممبئی ملک کے مالیاتی مرکز کے ساتھ خواتین کی حرمت کا محافظ شہر بھی تھا۔ یہاں پر اسے استحصال اور ہراسانی کا نشانہ بننے کا ڈر نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کئی شرمیلی اور گھریلو دوشیزائیں بھی ممبئی آکر پردۂ سیمیں کی نامور اداکارائیں بن گئی تھیں۔ جو بھی یہاں آتا ہے وہ کام کے ساتھ اپنا نام پیدا کر کے یہیں کا ہوجاتا ہے۔ سونیا نے بھی ذہنی راحت اور ادبی شہرت کے حصول کے لئے اس 'خوابوں کے

شہر' کا انتخاب کیا تھا۔ اس بات کا علم اسے ممبئی آکر ہی ہوا کہ، کیوں کامیابی کا خواب دیکھنے والی شخصیتیں ممبئی کا رُخ کرتی ہیں۔ مگر وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھی کہ کیوں بار بار دہشت گرد اپنی انسانیت سوز اور دہشت گردانہ گھناؤنی کارستانیوں کا رُخ ممبئی جیسے خوابوں کے شہر کی جانب موڑ رہے ہیں؟ یہ غور طلب بات سب کو سوچنے پر مجبور کردیتی ہے۔ شاید اس لئے کہ ملک کے صنعتی ومعاشی دارالحکومت کو عدم استحکام سے دوچار کر کے عوام کو دہشت کا شکار بنایا جائے لیکن ان کی ناپاک سازشیں اور نفرت انگیز منصوبے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ جس کا ثبوت ماضی میں ہوئے دہشت گردانہ دھماکے ہیں!

سونیا جب سے سال 2003ء سے ممبئی میں مقیم تھی تب سے وہ مسلسل دہشت گردانہ بم دھماکوں سے ہونے والی تباہ کاریوں، ہلاکتوں اور اس سے ہونے والے نقصانات کا مشاہدہ کرتی آرہی تھی۔ یہ سال 2006ء کا واقعہ ہے اُس وقت سونیا کا بوائے فرینڈ سچن اس کا خاوند بن چکا تھا۔ ایک روز وہ حسب معمول اپنے آفس میں مصروف کار تھا۔ اس اثناء میں زوردار بم دھماکہ سے اس کے آفس کی کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور ہوگئے۔ یہ سلسلہ وار بم دھماکے تھے جو وقفہ وقفہ سے پھٹ پڑے تھے۔ جس سے بے شمار افراد ہلاک اور زخمی ہوگئے تھے۔ بم دھماکوں کا یہ سلسلہ ممبئی میں عرصہ دراز سے چلا آرہا تھا۔!

"ماہ نومبر سال 2008ء کے ہولناک حملہ کو تو ہم کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔ یہ ہلاکت خیز حملہ صرف ممبئی ہی نہیں بلکہ سارے ملک وقوم پر حملہ کے مترادف تھا۔ یہ انسانیت کے ساتھ ہماری قومی عظمت پر بھی حملہ تھا۔ حملہ آوروں نے تاج ہوٹل کو بھی دہشت گردی کا نشانہ بنایا تھا۔ ہوٹل میں موجود تمام لوگوں کے ساتھ میں اور سچن بھی پناہ گزینوں کی طرح ساری رات اندھیرے میں چھپ کر گولیوں کی بھیانک آوازیں اور گرینیڈس دھماکوں کی خوفناک صدائیں سنتے رہے۔ صبح جب کچھ دیر کے لئے خاموشی چھاگئی تو ہم سب اس موقع

پر محافظ دستوں کی نگرانی میں جان بچاتے ہوئے باہر نکل پڑے۔ ہر سمت سکوت اور سڑکوں پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پولیس اور فوجی جوان پہرے دیتے ہوئے تجسس سے اپنی نظریں ہوٹل میں دہشت گردوں اور کمانڈوز کے درمیان ٹھہر ٹھہر کر ہو رہی جھڑپوں پر مرتکز کیے ہوئے تھے۔ نجانے کونسا پل کیا خبر لے آئے گا؟ سارے جہاں کے عوام یہ قیامت انگیز ٹیلی ویژن پر مشاہدہ کر رہے تھے۔ میں اور سچن جاں بہ لب حالت میں خاموش اور سہمے ہوئے کار میں اپنے گھر لوٹ آگئے تھے۔ جب کبھی میں اس بدبختانہ حملہ کو یاد کرتی ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میرا پور پور لرزنے لگتا ہے اور میں وحشت زدہ ہو کر آہیں بھرتے ہوئے سسکنے لگتی ہوں"۔ سونیا گلوگیر لہجہ میں کہنے لگی۔

ممبئی میں ہوئے اس ہلاکت خیز حملہ کے بعد سونیا کو یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اب مزید اس شہر میں نہیں رہ سکے گی۔ کیوں کہ دہشت گردانہ حملہ کی تباہی اور خون ریزی کے جان لیوا منظر کی وہ خود چشم دید تھی۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ وہ آزادی سے گھوم نہیں سکے گی۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر ایسے ہی دھماکے آئندہ بھی ہوتے رہیں گے تو اسے اپنی جان کے ساتھ اپنی اولاد کی جان کی قیمت بھی چکانی پڑے گی۔ پھر ایسے حالات میں اس کے خوابوں اور ہونے والے بچوں کا کیا ہوگا؟

چند دنوں بعد سونیا کو اپنی رائے پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ اسے ممبئی کے جاں باز شہریوں، جیالے مکینوں اور جیوٹ عورتوں کو دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ وہ بھی تو ان حوصلہ مند اور باہمت لوگوں کی طرح بلا خوف و خطر یہاں رہ سکتی ہے۔ جو اپنی ذاتی ذمہ داریوں اور "گھریلو مسائل کے ساتھ ساتھ مہلوکین کی ہلاکت پر افسوس، پسماندگان سے اظہارِ تعزیت اور زخمیوں سے یگانگت ظاہر کرتے ہوئے رنج و غم کی تصویر بنے بار بار دھماکوں کا دُکھ جھیلنے کے باوجود پھر سے تازہ دم ہو کر دہشت گردی کا مقابلہ کرنے اور اپنے خوابوں کی منزل کی تلاش

میں دوبارہ زندگی کی دوڑ میں شامل ہو گئے تھے۔

شاید اس لئے ممبئی کو ''خوابوں کا شہر'' کہا جاتا ہے۔ خواب جو کبھی کسی دہشت گردانہ حملوں اور بم دھماکوں سے ختم نہیں ہوتے، نہ ہی ترقی کا خواب دیکھنے والے اور منزل کے متلاشی کبھی ایسی بزدل کارروائیوں سے خائف ہوتے ہیں۔ جاگتی زندگی اور جاگتے شہر کے لوگ تو ہر حالت میں ہمیشہ ملک وقوم دشمن طاقتوں سے مقابلہ کے لئے کمربستہ رہتے ہیں۔

اپنے خوابوں کے شہر 'ممبئی' اور اپنے خوابوں کے گلستان اور سارے جہاں سے اچھا 'ہندوستاں' کی حفاظت کے لئے۔!

سونیا اب بہت ہی پُرسکون تھی۔ اس کے خدشات سمندر کے جھاگ کی طرح ثابت ہوئے تھے۔ اسے جرأت اور ہمت سے رہنے کا حوصلہ مل چکا تھا۔!!!

○☆○
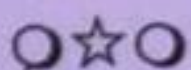
دردناک ہلاکت

تہتر سالہ قبرصی نژاد اور برطانوی ارب پتی تاجر اندریس لیویراس، موناکو میں سمندری کشتیوں کی ایک کمپنی کے مالک تھے۔ وہ لندن آنے کے بعد ایک بیکری میں عام ملازم کی حیثیت سے کام کرتے کرتے ایک دکان کے مالک بنے۔ اور اس دکان سے انھوں نے ایک بڑا کاروبار جمایا۔ جسے بعد میں وہ فروخت کر کے سمندری کشتیوں کے کاروبار سے منسلک ہوگئے۔ ان کا شمار لندن کے امیر ترین دوسو پینسٹھ مالدار افراد کی فہرست میں شامل تھا۔ وہ ممبئ میں سیاحت کی غرض سے آئے تھے۔ اُن کا قیام ہوٹل تاج میں تھا۔!

جیسے ہی اندریس ہوٹل میں رات کے کھانے کے لئے میز پر بیٹھے تو انھیں ہوٹل کی لابی سے مشین گنوں سے گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ سنگین حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے وہ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ میز کے نیچے چھپ گئے تھے۔ اس درمیان بتیاں بجھادی گئی تھیں۔ لیکن گولیاں چلنے کی صدائیں برابر آتی رہیں۔ پھر حملہ آوروں نے بہت سارے لوگوں کے ساتھ انھیں بھی یرغمال بنا کر پہلے ہوٹل کے باورچی خانے میں لے گئے۔ اس کے بعد وہاں

سے تہہ خانے میں سب کو بند کردیا تھا۔ انھیں بم پھٹنے کی آواز ان کی ہلاکت سے کوئی پینتالیس منٹ پہلے آئی تھی۔ اس دھماکہ سے پوری عمارت لرز اٹھی تھی۔ کسی کو نہ اندر آنے دیا جارہا تھا اور نہ ہی کسی کو باہر جانے دیا جارہا تھا۔!

پریشان حال اندریس اور نہ ہی کسی یرغمالی کو پتہ چلا کہ کیا ہورہا تھا؟ ایک اندازے کے مطابق اس وقت تقریباً ہزار اشخاص ہوٹل میں موجود تھے۔ جن میں مقامی باشندوں کے ساتھ غیر ملکی تاجرین اور سیاح بھی تھے۔ اب وہ چھپے ہوئے نہیں بلکہ یرغمال بنالئے گئے تھے۔ کسی کو کوئی بھی کچھ بتا نہیں پارہا تھا کہ آخر ماجرا کیا تھا؟ جس کمرے میں وہ یرغمال تھے ان کے ساتھ ہوٹل کا کچھ عملہ بھی موجود تھا۔ جو اُن لوگوں کی بھرپور مدد کررہا تھا۔ کبھی وہ یرغمالیوں کو پانی پلارہے تھے تو کبھی سینڈوچ فراہم کررہے تھے۔ مگر کوئی بھی یرغمالی کچھ نہیں کھارہا تھا۔ ہر کوئی حواس باختہ اور خوفزدہ تھا۔!

عمر رسیدہ اندریس کی المناک ہلاکت سے چند لمحات پہلے ٹیلی فون پر ایک صحافی نے ان سے سوال کیا تھا۔

''بتایئے۔ آپ کیسے اور کس حالت میں ہیں۔؟ آپ تو بہت ہی خوفزدہ لگ رہے ہیں''۔

''یہاں ہر کوئی خوف زدہ ہوکر موت کا شکار ہونے والا ہے۔ خوف کے مارے ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ شاید اس اذیت، حبس اور کرب سے نجات کی کوئی راہ نکل آئے''۔ اندریس نے انتہائی مایوسی سے اُمید وبیم کی کیفیت میں جواب دیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسی خوف ودہشت کے ماحول میں بے رحم دہشت گردوں کے ہاتھوں بہیمانہ انداز میں ہلاک کردیئے گئے۔ اندریس کی دردناک ہلاکت کی خبر سن کر ان کے بھائی تھیوفینس پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ اس سانحہ سے برطانیہ کے تاجرین کے علاوہ عوامی حلقوں میں سوگ اور صدمے کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ○☆○

سیاہ باب

''اس جان لیوا صدمہ پر صبر کرنے کے سوا میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے۔ میں وہ تمام طریقے اپنا چکا ہوں۔ جو کہ میرے اختیارات میں ہیں۔ جس سے مجھے اس اندوہناک المیہ کو وقتی طور پر سہنے میں مدد حاصل ہوئی ہے۔ بیتا ہوا ایک برس میرے لئے ایک دن کے برابر لگ رہا ہے۔ مجھے اس ہلاکت انگیز حملہ کو برداشت کرنے کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوگی۔ لیکن میں پھر بھی اس سے نجات کا تصور نہیں کر سکتا۔ میری زندگی یوں ہی گذر جائے گی۔ ہر نفس مجھے اپنی نوجوان اہلیہ اور دو کمسن بچوں کی یاد، دلاتا رہے گا۔ اور دل کی ہر دھڑکن مجھے اپنے پُر بہار گلشن کے اجڑنے کی داستانِ الم سناتی رہے گی۔ میں نے فرقت کی اس گھڑی میں خود کو حالات کے حوالے کر کے ان راہوں کا انتخاب کر لیا ہے۔ جس پر چلتے ہوئے میری بیوی اور بچے مجھے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کا احساس میرے اپنے اندر بھی ہے''۔ تاج محل پیالیس اور ہوٹلس کے جنرل منیجر کرمبیر کنگ (KARAMBIR KANG) نے انتہائی دلدوز انداز میں ممبئی حملہ کی پہلی برسی کے موقع پر کہا۔

ایک روز کرمبیر کنگ نے اپنے فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے ہوٹل تاج محل پہنچ گئے۔ وہ دوبارہ ملازمت سے رجوع ہونے سے پہلے اس تاریخی عمارت کی جدید مرمت و زینت کے مشاہدہ کے منتظر تھے۔ جس کی دہشت گردانہ حملہ سے متاثر ہونے کے بعد از سرنو تعمیر و تزئین کی جارہی تھی۔ انتظامیۂ تاج گروپ نے ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے انھیں وہ تمام ذمہ داریاں سونپ دیں جس کو وہ انجام دیتے ہوئے آرہے تھے۔ کرمبیر کنگ جیسے دیانت دار، سنجیدہ اور مخلص عہدیدار کو ان کی فرض شناسی کے سبب انھیں وہ سارے اختیارات لوٹا دیئے گئے جس کو وہ پوری آزادی کے ساتھ نباہ رہے تھے۔ اپنی جائے ملازمت کی حالت دیکھ کر وہ افسردہ ہوگئے۔ ان کے آگے دہشت گردانہ حملہ کا وہ ہلاکت خیز منظر گھومتا ہوا محسوس ہوا اور انھیں اپنی شریک حیات نیتی اور دونوں بیٹے پندرہ سالہ اُودے اور بارہ سالہ سمر بڑی شدت سے یاد آنے لگے۔ جو اِس حملہ کے بعد آتشزدگی کی زد میں آکر ہلاک ہوگئے تھے اور ان کی نعشیں ناقابل شناخت ہوگئی تھیں۔ اتفاق سے کرمبیر کنگ اس وقت ہوٹل میں نہیں تھے۔ پھر یادوں کا سلسلہ دراز ہوگیا۔ اس میں ساتھی اسٹاف کے علاوہ وہ سب لوگ بھی شامل ہوگئے جو بربریت کا شکار ہوگئے تھے۔ کرمبیر کنگ دل گرفتہ ہوکر سوچنے لگے کہ آیا انھیں یہاں رہنا چاہئے یا نہیں؟ انھوں نے قطعی طور پر کچھ طے نہیں کیا تھا۔ لیکن انھیں کوئی فیصلہ تو کرنا ہی تھا۔ وہ جانتے تھے کہ انھیں یہی راستے پر چلنا ہوگا۔ کہیں اور جانے کا وہ خیال بھی نہیں کرسکتے تھے۔ حملہ کے بعد سے ہی وہ ہوٹل میں داخلہ کا انتظار کررہے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ہوٹل میں جاری تعمیری کام جلد ختم ہو اور ہوٹل کا سابقہ شاندار موقف دوبارہ فوری بحال ہوجائے۔ اس مقصد کے تحت وہ یہاں قیام کرکے پوری سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لینے لگے تھے!

اس سانحہ سے گزرنے کے بعد کرمبیر کنگ کو اُن کے والدین نے کافی سہارا دیا تھا۔

اُن دونوں نے چند مہینوں تک ان کے پاس قیام کر کے انھیں حوصلہ دیتے ہوئے پھر سے ایک نئی زندگی کے آغاز پر زور دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کام کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اُن کے والد آرمی جنرل کے عہدہ سے سبکدوش ہونے پر اُن کی والدہ کے ساتھ چندی گڑھ میں رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ والدین کے لوٹ جانے پر وہ اکیلے پن سے اُکتا کر کچھ وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گذار لیتے تو کبھی مطالعہ میں مصروف ہوجاتے تھے۔ یا پھر موسیقی کے ذریعہ خود کو بہلانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد انھیں اس بات کی اہمیت کا اندازہ ہوا کہ نہ تو انھیں ہر وقت مغموم رہنا چاہئے اور نہ ہی خود کو مظلوم سمجھنا چاہئے بلکہ تقدیر پر صبر کرتے ہوئے راضی بہ رضا رہنے کی ضرورت ہے اور اسی میں عافیت ہے۔ ورنہ کرب ناک اذیت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہی سوچ کر وہ اپنے کام میں جٹ گئے۔ ان کی ملازمت ہی ایسی تھی کہ انھیں زیادہ مصروف رہنا پڑتا تھا۔ اس طرح اُن کے پاس اپنے احساسات اور خیالات پر توجہ دینے کے لئے عام طور پر تھوڑا ہی وقت باقی رہ جاتا تھا۔!

دہشت گردانہ حملہ سے متاثر ہونے پر کرمبیر کنگ کو اپنوں کے علاوہ غیروں کی ڈھیر ساری مہربانیاں اور ہمدردیاں حاصل ہوئی تھیں۔ لوگوں نے لاتعداد خطوط اور ای میل (Email) کے ذریعہ اپنائیت اور محبت کا بے پناہ ثبوت دیا تھا۔ جو سوگوار ایام میں ان کے لئے بہت ہی مددگار ثابت ہوئے تھے۔ امریکی سکریٹری آف اسٹیٹ محترمہ ہلاری کلنٹن، جنھوں نے ممبئی حملہ کے بعد دورۂ ہند کے موقع پر ہوٹل تاج میں اس دوران قیام کیا تھا۔ جبکہ اس یادگار عمارت کی مرمت جاری تھی۔ انھوں نے دہشت گردانہ حملہ کی پرزور مذمت کرتے ہوئے مہلوکین کو خراجِ عقیدت اور پسماندگان و متاثرین سے دلی اظہارِ تعزیت کیا تھا۔ ہوٹل تاج اور ٹاٹا گروپس کے منتظمین نے بھی مکمل طور پر کرمبیر کنگ کی حمایت کرتے

ہوئے انھیں بہت کچھ عطا کیا تھا۔ جیسے ذاتی طور پر اُنھیں ادا کرنا تھا۔!

کرمبیر کنگ اپنے ماں باپ کے بیحد ممنون ہیں ۔ جنھوں نے ان کے ساتھ کئی دن گذارے تھے۔ انھوں نے سب کے احسانات کو اپنی یادداشت کے نہاں خانے میں محفوظ رکھا ہے۔ ہر یاد اُن کے لئے ایک ناقابلِ فراموش "سیاہ باب" کی حیثیت رکھتی ہے۔

"میں ہرگز یہ کہنا پسند نہیں کروں گا کہ چھبیس نومبر کو کیسا ہلاکت انگیز حملہ وقوع پذیر ہوا تھا؟ بلکہ ایک سبق کے طور پر یہ کہنا چاہوں گا کہ ملک کو آئندہ ایسے مہلک دہشت گردانہ حملوں سے چوکس رہنے کی سخت ضرورت ہے۔ میرے اور دوسرے ارکانِ اسٹاف کے لئے ہوٹل تاج محل پر حملہ ہمارے مکان پر حملہ کے برابر ہے۔ اس کے لئے سب کو متحدہ طور پر اس کی حفاظت کے لئے کھڑے ہونا چاہئے۔ کرمبیر کنگ نے اپنے پُراثر پیام میں ان تاثرات کا اظہار کیا۔!!!

○☆○
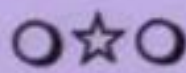
جاں باز نوجوان

نوجوان متین گُفّے پریڈ کا ساکن تھا۔ جو تاج محل ہوٹل میں بحیثیت شیف (CHEF) خدمت انجام دے رہا تھا۔ اپنی ذہانت اور متانت کے باعث وہ اسٹاف ملازمین اور حکام میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کی عمدہ کارکردگی اور فرض شناسی کے سب معترف تھے۔ ہر کسی سے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنا اور ان کی ضرورت کے وقت کام آنا اس کی فطرت میں شامل تھا۔ اسی وصف کی بناء پر وہ اپنوں کے ہی نہیں بلکہ غیروں کے دلوں میں بھی اپنا مقام بنالیا تھا۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے وہ سدا یہی کہا کرتا تھا کہ۔ ''اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں۔ دوسروں کے لئے جینا اور مَرنا انسانیت کی معراج ہے''۔!

دہشت گردانہ حملے کی رات جب دہشت گرد ہوٹل تاج میں گھس پڑے تھے۔ اس دوران متین اپنے ملازم ساتھیوں کے ساتھ باورچی خانہ میں مصروف تھا۔ کچن کے باہر سیدھے جانب اچانک دھماکہ کی آواز سن کر جیسے ہی ایک ملازم نے دروازہ کھولا تو اس کے روبرو ایک دہشت گرد بندوق تھامے ہوئے کھڑا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ صورتِ حال کے

بارے میں سمجھ پاتا۔ بندوق بردار نے اس کی نظروں کے سامنے ایک غیر ملکی مہمان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔!

''سنو۔! ہوٹل میں (TERRORISTS) داخل ہو گئے ہیں''۔ چشم دید ملازم نے فوری کچن میں آ کر سب کو آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے لگا۔

''یا اللہ۔! ہمیں کچھ کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ یہ درندے سب کو ہلاک کر دیں گے''۔ متین نے جذباتی انداز میں کہا۔

اس غیر متوقع ہنگامی حالات کو دیکھتے ہوئے حکام نے اپنے عملے کو ہدایت دی کہ وہ محفوظ طریقہ سے مہمانوں کو باہر نکلنے میں مدد کریں۔ یہ حکم سنتے ہی متین نے فوراً اپنا فرض نبھاتے ہوئے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر مہمانوں کی سلامتی کی خاطر انھیں پہلی منزل پر محفوظ مقام تک بحفاظت پہنچانے لگا تھا۔!

کچھ دیر بعد کارروائی کے درمیان جب متین کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ واقعی سنگین خطرہ میں ہے تو اس نے گراؤنڈ فلور میں موجود اپنے دوست کو پکارا۔ ''جلدی اوپر آؤ۔ یہاں بُرا حال ہے۔ ہمیں بچانے کے لئے سیڑھیوں کے ذریعہ پہنچو''۔ لیکن کوئی بھی اس کی مدد کو نہیں پہنچا۔

''کسی کے لئے بھی کچھ کرنا ممکن نہیں تھا۔ ہم سب بے بس اور مجبور تھے''۔ ایک ملازم بتایا۔

''اگر ہم میں سے کوئی متین کی مدد کے لئے پہنچتا تو وہ بھی گولیوں کا نشانہ اور موت کا نوالہ بن جاتا۔ حالات ہی ایسے ہلاکت انگیز تھے''۔ ہوٹل کے اسٹاف نے بڑے ہی درد بھرے لہجہ میں کہا۔

افسوس کہ پولیس اور حفاظتی دستہ بھی وہاں نہیں جا سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ دوسرے حصہ

میں دہشت گردوں سے جنگ میں مصروف تھے۔ متین کا ساتھی تاسف سے کہنے لگا۔!

پھر متین نے اپنی قیمتی زندگی سے زیادہ مہمانوں کی سلامتی کو ترجیح دی۔ خونخوار دہشت گردوں نے عقب سے دو گولیاں چلادیں۔ ایک گولی دندناتی ہوئی اس کی کھوپڑی میں دھنس پڑی تو دوسری گولی سنسناتی ہوئی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گھس گئی تھی۔ وہ ایک بہادر سپاہی اور جاں باز ہیرو کی طرح موت کو خوشی سے گلے لگا لیا۔ پانچ ستارہ ہوٹل کا یہ روشن ستارہ دہشت گردی کی خوفناک سیاہ آندھیوں اور گہرے مہیب بادلوں میں ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔ متین کی بے رحمانہ ہلاکت سے سارے اسٹاف اور حکام کو شدید صدمہ پہنچا تھا۔!

''وہ وقت ہمارے لئے قیامت سے کم نہیں تھا۔ یہ سب کیسے اور کیوں ہوا؟ ہم کچھ بتا نہیں سکتے۔ ہمارے ذہن بالکل ماؤف ہو چکے ہیں''۔ خطرناک دہشت گردانہ حملے کے المناک خاتمے کے بعد ہوٹل کا ایک اسٹاف رکن جو گراؤنڈ فلور میں پھنسا ہوا تھا۔ اس نے انتہائی دکھ سے کہا۔!!!

○☆○

چراغ جو بجھ گیا

وجئے راؤ بھنجانے اپنی بہترین کاریگری اور انسان دوستی سے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ ایک مستند شیف (CHEF) ہی نہیں بلکہ ایک ہمدرد شخص بھی تھے۔ ان کی پوری حیات اوروں کی بے غرض اعانت اور بے لوث خدمت سے عبارت تھی جو زندگی کی آخری سانس تک جاری رہی۔ ان کا یادگار کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قیمتی جان جوکھم میں ڈال کر دوسروں کی رہنمائی کی خاطر قربان کردی تھی۔ وہ ہوٹل تاج میں بحیثیت چیف ایکزیکیٹو شیف (Chief Executive Chef) برسر روزگار تھے۔ اس ہوٹل پر تقریباً دو دنوں تک دہشت گرد حملہ آوروں نے اپنا قبضہ جماتے ہوئے کئی بے قصور و بے گناہ افراد کو اپنی ہلاکت انگیز کارستانی سے ہلاک اور زخمی کردیا تھا۔ ان بیرونی مہلک درندہ صفت حملہ آوروں کا، ہمارے بہادر فوجی سپاہیوں اور دلیر قومی محافظ دستوں کے ہاتھوں صفایا ہوگیا تھا۔ جب وجئے نے دیکھا کہ دہشت گرد ہوٹل میں داخل ہوکر اندھا دھند گولیوں سے بے شمار لوگوں کو ہلاک کررہے تھے تو وہ جذبۂ انسانی ہمدردی سے مجبور ہوکر معصوم، مظلوم اور نہتے انسانوں کو

باورچی خانہ میں عارضی طور پر پناہ دے کر اپنی زیرِ حفاظت رکھ تھا۔ پھر جب وہ اپنی جان عزیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے خوف وخطر کچن میں پناہ گزیں ہوٹل کے مہمانوں اور اسٹاف ورکروں کو دروازے سے محفوظ پناہ گاہ کی سمت منتقل ہونے کی راہ ہموار کررہے تھے۔اس اثناء میں وہ اور دیگر پانچ اشخاص، ظالموں کی بے تحاشہ گولیوں کا نشانہ بن کر لقمۂ اجل ہوگئے۔!

وجئے گزشتہ پانچ برسوں سے ہوٹل تاج سے وابستہ تھے۔ وہ اپنی اہلیہ فریدہ اور فرزند روبن متعلم انٹرمیڈیٹ کے ساتھ ہوٹل کے قریبی علاقہ میں رہائش پذیر تھے۔

یہ شاید 10.30 (ساڑھے دس) بجے کا وقت ہوگا جب ہم نے ٹیلی ویژن پر شہر ممبئی خصوصاً ہوٹل تاج پر دہشت گردانہ حملوں کا ہلاکت خیز منظر دیکھا تو حیدرآباد سے فوری وجئے کوفون کیا تھا۔ وجئے کے خالہ زاد بھائی سیمویل کہنے لگے۔

سب ٹھیک ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ وجئے نے جواب دیا۔

سنگین حالات کے پیش نظر سیمویل اور اس کے ارکانِ خاندان وجئے کو لگا تار فون کرنے لگے تھے اور جواب میں انھیں ہر بار اطمینان دلایا جارہا تھا لیکن ان لوگوں نے بے چین ہوکر نصف شب کو وجئے سے پھر بات کی تو انھیں چیخیں سنائی دینے لگیں۔ مگر ان کا وہی پرسکون جواب تھا۔ غالباً وہ اپنے رشتہ داروں کو تشویش میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ جب آدھا گھنٹہ گزرنے کے بعد ان سے خیریت دریافت کی گئی تو اس دفعہ ان کا جواب مختلف تھا......

''ہاں۔! ہم فکر مند ہیں۔ لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وجئے نے پریشانی اور تسلی آمیز انداز میں کہا۔

رات 2 (دو) بجے کے بعد حالات تشویشناک ہوگئے تھے۔ وجئے کی طرف سے کوئی

جواب نہیں مل پار ہا تھا۔ ہر مرتبہ ان کا فون بند ہونے کی اطلاع مل رہی تھی۔ ایسی پریشان کن حالت میں یہ تشویش زدہ گھرانے نے صورتحال سے واقف ہونے کے لئے وجئے کے نائب مددگار رامو سے ربط پیدا کیا جس کا تعلق حیدرآباد کے ویسٹ ماریڈ پلی علاقہ سے تھا۔ اس نے پہلے تو ''سب معمول کے مطابق ہے صرف گولیاں چل رہی ہیں'' کہہ کر واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ مگر صبح 5 (پانچ) بجے اس نے خود ہی فون کر کے اس المناک سانحہ سے مطلع کیا کہ ''وجئے رات کے تقریباً 1.30 (ڈیڑھ) بجے حملہ آوروں کی زبردست فائرنگ کی زد میں آ کر ہلاک ہو گئے ہیں''۔ وہ اس صدمہ انگیز خبر کو پہلے اپنی جانب ہی سے دے کر وجئے کے لواحقین کو غمزدہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔!

ہوٹل تاج کی پہلی منزل کے باورچی خانہ میں ملازمین حسبِ معمول مصروف تھے۔ جب گولیوں کی خطرناک آواز گونج اٹھی تھی۔ اس وقت کچھ دیر بعد پولیس نے انھیں بتایا تھا کہ ہوٹل کو دہشت گردوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ کوئی بھی شخص باورچی خانہ سے باہر نہ نکلے۔ پھر رات 1 (ایک) بجے کے لگ بھگ یہ ہدایت دی گئی کہ باورچی خانہ میں موجود لوگوں کو چھوڑ دیں۔ اتنا سنتے ہی وجئے باورچی خانہ میں پناہ لئے ہوئے ملازمین، مہمانوں اور بیرونی شہریوں کو محفوظ مقام تک پہنچنے میں مدد کرنے لگے تھے۔ اس دوران دو دہشت گردوں نے باورچی خانہ میں وارد ہو کر گولیوں کی بوچھار شروع کر دی۔ وجئے جو سب کو بحفاظت نکلنے کی ترغیب دے رہے تھے وہی گولیوں کا پہلا نشانہ بنے۔ اس کے بعد دیگر افراد بھی ان کے ساتھ تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیئے۔!

شہید وجئے نے 1970ء سے شیف کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ انھوں نے ہوٹل تاج (ممبئی) میں رجوع ہونے سے چھ سال قبل دوبئی، کویت اور مسقط کے علاوہ حیدرآباد میں تاج گروپ ہوٹل میں اپنی ماہرانہ خدمات انجام دی تھی۔ وجئے کو سابق وزیراعظم اٹل

بہاری واجپائی کے دورۂ جنیوا (سوئٹزرلینڈ) کے موقع پر بحیثیت چیف شیف شامل رہنے کا شرف حاصل تھا۔ وہ ٹی وی پر ''کوکنگ شو'' بھی پیش کرتے تھے۔ ان کے اہل خانہ کہنے لگے۔

وجئے نے 5 ڈسمبر کو حیدرآباد میں اپنی قیامگاہ ڈیفنس کالونی (سینک پوری) میں عیسائی عقیدہ کے مطابق ایک مذہبی تقریب منعقد کر کے تمام اراکین خاندان کو مدعو کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جوافسوس کہ پورا نہ ہوسکا۔ وہ ایک روشن چراغ کی طرح ہمیشہ دوسروں کو روشنی مہیا کرتے تھے۔ سیموئیل نے انتہائی بھرآئی ہوئی آواز میں کہا۔!!!

○☆○
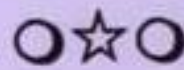
موت کی رات

''کلپنا۔ ! آج شام ہماری بزنس میٹنگ ہوٹل اوبرائے میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ڈنر کا اہتمام ہے۔ جیسے ہی ڈنر ختم ہوگا میں جلد گھر لوٹ آؤں گا۔ تم رات کا کھانا بچوں کے ساتھ کھا لینا۔ پلیز۔ ! کیا کروں مجبوری ہے۔ ورنہ تمہیں بھی ساتھ لے چلتا۔ تم ناراض تو نہیں ہو نا۔؟ اچھا۔ میں اب چلتا ہوں۔ سب لوگ انتظار کر رہے ہوں گے''۔ پنکج نے روانگی سے قبل اپنی بیوی کو بڑے ہی پیار سے چومتے ہوئے کہا۔!

''ٹھیک ہے پنکو۔ تم تاخیر مت کرنا۔ میں اور بچے تمہارا انتظار کریں گے''۔ کلپنا اسے وداع کرتے ہوئے بولی۔۔

چند گھنٹوں بعد جب کلپنا نے اپنے چہیتے خاوند کی المناک موت کی اطلاع سنی تو اسے ایسا لگا کہ کسی نے زوردار دھکا دے کر اسے گلشنِ حیات کی حسین وادیوں سے نکال کر موت کی ویران راہوں میں دھکیل دیا ہو۔ یہ عجیب اتفاق ہی تھا کہ اس شام پنکج اکیلا ہی کسی ڈنر میں شرکت کے لئے گیا تھا۔ ورنہ وہ سدا بیوی کی معیت میں کسی تقریب میں شریک ہوا کرتا

تھا۔ کلپنا کو پتہ نہیں تھا کہ وہ پنکج کا آخری بوسہ ثابت ہوگا۔ جب کبھی وہ مکان سے روانہ ہوتا تو اسے چوم لیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔!

کلپنا اپنے محبوب شوہر کے ساتھ بیتے ہوئے خوشگوار لمحات کبھی بھول نہیں سکتی۔ دونوں نے خوشحال زندگی گذاری تھی۔ وہ ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ ان کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور ہم خیالی کا مضبوط بندھن تھا۔ اپنی خوشیاں اور غم وہ آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے۔ اپنی خواہش پر دوسرے کی مرضی کو فوقیت دیتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ وہ ایک دوجے کو تھوڑی دیر دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ کلپنا کے گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کی پُر مسرت زندگی کا اس طرح بھیانک اختتام ہوگا۔ پنکج بھی ہوٹل اوبرائے کے ان مہلوکین میں شامل تھا جنھیں ظالم دہشت گردوں نے حملہ کر کے اس شب اپنی بربریت کا نشانہ بنایا تھا۔!

پنکج کی ناگہانی ہلاکت پر بہی خواہوں اور رشتہ داروں کی تسلیوں اور دلاسوں کا سلسلہ تھم گیا تو کلپنا کے گرد تنہائی کا حصار تنگ ہونے لگا اور دُکھ کے سائے دراز ہوتے دکھائی دیئے۔ اسے اس بات کا شدت سے افسوس ہو رہا تھا کہ کاش۔ اگر وہ پنکج کو ڈنر پر جانے کی اجازت نہ دی ہوتی تو یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ وہ اور بچے اس ناقابلِ فراموش صدمہ کا شکار نہ ہوتے۔ اداسیاں اور محرومیاں ان کا مقدر نہ بنتیں۔ غمزدہ کلپنا ماضی کو یاد کرتے ہوئے سسکنے لگتی۔ پھر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب ہو کر چھلک جاتی تھیں۔!

رنج والم میں ڈوبی ہوئی کلپنا نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب وہ خود کے لئے نہیں بلکہ اپنی اولاد کی خاطر جئیں گی۔ اگر وہ یوں ہی آہیں بھرتی رہے گی تو اس کے بچوں کا کیا ہوگا؟ اسے اس حادثۂ جانکاہ پر صبر و تحمل اور نامساعد حالات کا حوصلہ مندی سے مقابلہ کرتے ہوئے اولاد کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کے مستقبل کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ضروری تھا۔ ان

کی خوشی اور سلامتی کلپنا کی ذات سے زیادہ مقدم تھی۔ اسے پنکج کی دونشانیوں سنجنا اور سرجن کو دیکھ کر زندہ رہنا تھا۔ دونوں بچے باپ کی غیر موجودگی میں اپنی پڑھائی کے علاوہ دیگر فرائض کو بخوبی انجام دے رہے تھے۔ ان کی یہی کوشش تھی کہ والد کے خوابوں کو سچ کر دکھائیں اور ماں کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیں۔ بیٹی اور بیٹا ذہین اور ہونہار ہونے کے ساتھ فرمانبردار اور مددگار بھی تھے۔ باپ کی یاد اور ماں کی محبت کو سینہ سے لگائے رکھے تھے۔ زندگی معمول کے مطابق رواں دواں تھی۔ بس کمی تھی تو پنکج کی۔!

''ممّا۔! اگر آپ اس رات پاپا کے ہمراہ ہوٹل گئی ہوئی ہوتی اور آپ بھی مہلک حملہ کی نذر ہو جاتیں تو میرا اور بھیا کا نجانے کیا حال ہوتا؟ میں تو یقیناً صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے مرجاتی۔ کم از کم آپ تو ہمارے ساتھ ہیں۔ پاپا کے بچھڑنے کا احساس تو ہر ساعت رہے گا''۔ سنجنا نے اپنے اسکول میں ممبئی حملوں کے شہیدوں کی سالانہ برسی کے موقع پر منعقدہ جلسۂ خراج عقیدت سے واپسی کے دوران اپنی ماں سے انتہائی درد بھرے انداز میں روتے ہوئے کہا۔

بیٹی کے رقت انگیز اظہارِ خیال پر ماں بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔ وہ روہانسی ہو کر آہیں بھرتی ہوئی صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

''ہاں۔! بیٹی۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا''۔

کلپنا بیٹی کو کیسے بتاتی کہ اس کی ماں تو باپ کی موت والی رات کو ہی اندرونی طور پر فوت ہو گئی ہے اور بظاہر زندہ لاش بن کر ان کا ساتھ دیئے جا رہی ہے۔ اس کا سب کچھ تو باپ کی چتا کے ساتھ ہی بھسم ہو گیا ہے۔ مہلک دہشت گردانہ حملوں میں انسانوں کی ہلاکت ہی نہیں بلکہ ان کے ارکان خاندان کی اُمیدوں اور اُمنگوں کا بھی قتل ہوا تھا۔!!!

○☆○

کرب ناک لمحات

آندھرا بینک کے اُن چار آفیسروں کا تعلق شہر حیدر آباد سے تھا جو اٹھارہ گھنٹوں تک ہوٹل ٹرائیڈنٹ (HOTEL TRIDENT) میں دہشت گردوں کے زیر حراست تھے۔ اس دوران یہ عہدیدار جن اذیت ناک حالات اور کرب ناک لمحات سے گزرے تھے وہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھے۔ انھیں جو ذہنی اور جسمانی ٹھیس پہنچی تھی۔ اسے وہی بخوبی جانتے ہیں۔ اس کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔!

''میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ لمحات کتنے کربناک تھے۔ اس دہشت گردانہ حملوں سے ہمیں جو روحانی اور نفسیاتی صدمہ ہوا ہے وہ بعید از قیاس ہے۔ میں پہلے تو اس اُلجھن میں گرفتار ہوگیا تھا کہ ہم کس طرح یہاں سے بحفاظت باہر نکل سکیں گے۔ آگے یہ سوچ کر فکر میں مبتلا ہوگیا کہ اگر ہماری اُمید ناکام ہوگئی اور ہم سب کا یوں ہی خاتمہ ہوگیا تو ہماری موت بے مطلب ہوگی۔ بجائے اس کے کہ ہم حملہ آوروں اور ملک کے دشمنوں کو سبق سکھا کر مریں گے''۔

آندھرا بینک کے جنرل منیجر (صیغۂ حسابات) ایس پربھاکر ریڈی نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

جب بینک کے عملہ کو یہ اشتعال انگیز پیام ملا کہ دہشت گردوں نے یرغمالیوں کی رہائی کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ شہر حیدرآباد دکن کو پاکستان کا خودمختار علاقہ قرار دیا جائے۔ اس اطلاع سے انھیں ایسا لگا کہ حملہ آوروں کی یہ ناقابل فہم اور نامعقول شرط احمقوں کے خواب اور اندھوں کا اندھیرے میں لاٹھی چلانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس شرانگیز پیغام سے ہر یرغمال ہندوستانی کی رگِ حمیت کا پھڑک اُٹھنا لازمی تھا اور وہ اپنے محبوب وطن کے لئے جذبۂ حب الوطنی کے تحت اپنی عزیز جان کی قربانی کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ پھر انھوں نے یہ طے کرلیا کہ چاہے ملک کی خاطر ان کی جانیں ہی کیوں نہ چلی جائیں لیکن اپنی رہائی پر قربانی کو ترجیح دیں گے اور ملک کی سالمیت اور عظمت پر کبھی کسی قسم کی آنچ آنے نہیں دیں گے۔ جب دہشت گرد عناصر کی شرط، افواہ ثابت ہوئی تو سب بینک آفیسروں کے جذبۂ حب الوطنی سے سرشار دلوں کو قرار آیا!

پربھاکر ریڈی اُن پانچ جنرل منیجروں اور دو ڈائرکٹروں کے وفد میں شامل تھے جو ممبئی میں بینک کے حسابات کی جانچ پڑتال اور 27 نومبر کو منعقد ہونے والے انتظامی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ وہ 26 نومبر کی رات کو 9.30 بجے ہوٹل ٹرائیڈنٹ پہنچے تھے۔ جہاں ان کے تین ساتھی عہدیدار پہلے ہی سے لابی میں موجود تھے۔ انھوں نے انھیں عشائیہ کے لئے باہر چلنے پر اصرار کیا۔ مگر وہ ان کے ساتھ نہیں جاسکے۔ چوں کہ انھیں میٹنگ کے ایجنڈے کی تیاری کرنی تھی۔ اس طرح وہ اپنے لئے چوبیس منزل پر مختص کردہ روم کو چلے گئے۔

جب دس بج کر تیس تا پینتالیس منٹ کے درمیان انھوں نے دو زوردار دھماکوں کی

آواز سنی تو وہ پتہ لگانے کے لئے کھڑکی سے باہر جھانکے لیکن وہاں انھیں کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ اسے پٹاخوں کی گونج سمجھ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ انھیں یرغمال بنائے جانے کی خبر حیدرآباد سے ان کے ہم منصب رام گوپال نے ٹی وی دیکھنے کے بعد فون کے ذریعہ دی۔ تب تک انھیں اس کا علم نہیں ہوا تھا۔

''پربھاکر۔! تمہیں بہت چوکس اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ تم اپنا بھرپور خیال رکھو۔ ہوٹل میں موجود سبھی لوگوں کو دہشت گردوں نے یرغمال بنالیا ہے''۔

اوہ۔ مئی گاڈ! ایسا کیا۔؟ پربھاکر ریڈی حیرت سے کہتے ہوئے دفتری کام کو بازو رکھ کر بڑی بے تابی سے ٹیلی ویژن دیکھنے لگے!

ہوٹل انتظامیہ کی جانب سے تمام مقیم مہمانوں کو بار بار مطلع کیا جارہا تھا کہ وہ اپنے کمروں سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں اور خود کو اندر سے مقفل کر کے محفوظ ہوجائیں۔ جمعرات کی صبح 10 بجے جب کمرے میں نصب ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو احباب واقارب پربھاکر ریڈی کو وقفہ وقفہ سے فون پر خوں خوار دہشت گردوں کی ہلاکت انگیز کارستانیوں سے واقف کروارہے تھے۔ انھیں سہ پہر کے وقت کچھ راحت کی توقع نظر آئی۔ جب بینک کے سکیورٹی آفیسر کیپٹن بھاسکرن نے بتایا کہ فوج اور قومی محافظ دستے حملہ آوروں کے صفائے کے لئے تیار ہوچکے ہیں اور ان کی آمد کے ساتھ ہی جلد ہی سب کو نجات حاصل ہوجائے گی۔!

مسلسل اُلجھن، تناؤ اور تنہائی کے سبب پربھاکر ریڈی کے جسم میں شوگر کی مقدار کے ساتھ بلڈ پریشر کی سطح گھٹنے لگی تھی اور وہ تشویش زدہ ہوگئے تھے۔ مگر ان کی یہ تشویشناک کیفیت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ ان پر تقریباً اٹھارہ گھنٹوں سے جو نفسیاتی دباؤ تھا وہ کچھ ہی دیر میں ختم ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ کیوں کہ کیپٹن بھاسکرن کے ساتھ فوجی محافظ دستے آگ

بجھانے اور ہنگامی حالات سے نمٹنے راہداریوں ئے کے ذریعہ ان تک پہنچ چکے تھے۔ پربھاکر ریڈی کو نیچے اُترنے پر ہی اپنی جان بچنے کا اطمینان ہوا۔ لیکن وہ دس منٹ ان کے لئے کافی تکلیف دہ اور صبر آزما ثابت ہوئے تھے۔ اس دوران انھیں اپنے رگ و پے جیسے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔ شکر ہے کہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ گزرے ہوئے یہ جان لیوا لمحات ان کی زندگی کا ناقابل فراموش حصہ بن گئے تھے۔!

''میں یہی چاہتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی کسی ہندوستانی کو ایسے کربناک لمحات کا سامنا نہ کرنا پڑے''۔ اذیت اور صدمہ سے دوچار پربھاکر ریڈی نے رقت انگیز لہجہ میں کہا۔!!!

○☆○
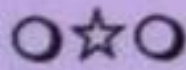
دہشت گردی

اس چہار شنبہ کی بد بخت رات کو پڑوسی دیش پاکستان سے گھس آئے دہشت گردوں نے ممبئی شہر پر اچانک ہولناک ہلّہ بول دیا تھا۔ بھیانک بم دھماکوں، خطرناک گرینیڈ حملوں اور خوفناک فائرنگ کی آوازوں سے ہندوستان کا یہ تجارتی اور صنعتی صدر مقام دہل گیا تھا اور تمام شہری اس دہشت ناک واردات سے دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ ٹیلی ویژن چینلوں پر اس جارحانہ اور دہشت گردانہ بربریت کے ہلاکت انگیز اور خون ریز مناظر دیکھنے کے بعد ساری ہندوستانی قوم متحد ہو کر غم و غصہ کے عالم میں احتجاجاً اُٹھ کھڑی تھی۔ وہ اس ہلاکت خیز یلغار کا پوری قوت سے منہ توڑ جواب دے کر اسے جلد ہی پسپا کر کے قاتل حملہ آوروں کا فوری صفایا کر دینے کی پُر زور حامی تھی۔ ایسے دھماکہ انگیز حالات سے اگر کوئی بے خبر رہا تو وہ صرف شوبھم ہی تھا۔!

ایک سالہ شوبھم کو کیا پتہ کہ شہر میں کیسی دہشت گردی جاری ہے۔؟ وہ کیسے جانتا کہ دہشت گردی کیا ہوتی ہے۔؟ دہشت گرد کون ہوتے ہیں۔؟ اور بم دھماکے، گرینیڈ حملے و

فائرنگ کیا ہوتی ہے۔؟ وہ شیر خوار۔ بھلا کیسے دہشت اور ہلاکت سے واقف ہوتا۔؟
چھبیس سالہ نوجوان سرجے راؤ بھوسلے بحیثیت سیکورٹی گارڈ اوبرائے ٹرائیڈنٹ ہوٹل میں ملازم تھا۔ جو اپنے پورے خاندان کا تنہا کفیل تھا۔ وہ شوبھم کا باپ ہی نہیں بلکہ اس کا واحد سرپرست بھی تھا۔ بھوسلے کی بیوی شوبھم کو جنم دیتے ہی چل بسی تھی۔ دو سال پہلے اس کے والد بھی دینا سے رخصت ہو گئے تھے۔ اب اس کے کنبے میں تین ہی ارکان ماں، چھوٹا بھائی اور بیٹا رہ گئے تھے۔!

دہشت گرد حملہ آوروں نے اوبرائے ہوٹل میں داخل ہوتے ہی بھوسلے پر فائرنگ کر کے اسے دہشت گردی کا نشانہ بنادیا تھا۔

دہشت گردو۔ اتم۔ تم۔ انسان نہیں۔ وحشی درندے ہو۔ تم۔ بہت ظالم ہو۔ تمہیں۔ اس کی۔ سزا ضرور۔ ملے گی۔ آہ۔ اف۔"
شعلے اگلتی ہوئی گولیوں سے سینہ چھلنی ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک تڑپ کر یہ کہتے ہوئے اس نے دم توڑ دیا۔

خونی دہشت گردوں نے نہ صرف بھولے بھالے بھوسلے کو ہلاک کیا تھا بلکہ اس کے کمسن بیٹے سے شفقت پدری بھی چھین لی تھی جو پہلے ہی محبتِ مادری سے محروم تھا اور ساتھ ہی اس کے پورے خاندان کو بے آسرا کر دیا تھا۔!

ہاں جی۔! بھوسلے ایک ذمہ دار اور محنتی نوجوان تھا۔ وہ بہت ہی کم عمری سے اپنے اہلِ خانہ کی پرورش کرتے آرہا تھا۔ سارے گھر کا بھاری بوجھ اس کے نازک کندھوں پر ہی تھا۔ والدین کی تیمارداری، بھائی کی پڑھائی پھر اپنی شادی کے بعد بیوی اور بچے کی کفالت کے علاوہ سب اخراجات کی پابجائی اس کی محدود کمائی پر منحصر تھی۔ آج ہی چھبیس نومبر کو اس کے والد کی دوسری برسی تھی اور یہ عجب اتفاق ہے کہ وہ بھی اسی تاریخ کو چھبیس سال کی عمر

میں گذر گیا۔ بھوسلے کے ہمسایہ، پانڈورنگ پاٹل نے انتہائی کربناک لہجہ میں کہا۔ معصوم شوبھم کے ساتھ کیسا المناک سانحہ پیش آیا۔؟ اس پر کیسی قیامت گذری۔؟ اور وہ کیسے زندگی بھر کے لئے بے سہارا ہو گیا۔؟ اسے تب ہی معلوم ہوگا جب وہ سن شعور کو پہنچے گا۔!

اِس دہشت گردانہ المیہ کے بعد جب بھی شوبھم دردانگیز انداز میں روتے ہوئے ہچکیاں لیتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ اپنے مہلوک باپ کو یاد کر رہا ہو۔ اور جب آہیں بھرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ دہشت گرد قاتلوں سے پوچھ رہا ہو کہ تم نے میرے بے خطا باپ کو کس لئے موت کے گھاٹ اُتار کر میری ایسی درگت بنائی۔؟ مجھ جیسے ننھے اور معصوم کو کس جرم کی سزا دی گئی۔؟ آخر ہمارا قصور کیا تھا۔؟ بس یہی نا کہ ہم انسانیت و امن پسند اور مہذب سماج کے باشعور افراد ہیں جو چین و سکون سے جیتے ہوئے انسانیت کی فلاح و بقا پر ایقان رکھتے ہیں۔ جو تم انسانیت کے بدترین دشمنوں کو ہرگز گوارا نہیں ہے۔ اور تم حیوانیت و دہشت پسند غیر مہذب معاشرہ کے مجرمانہ ذہنیت کے لوگ ہیں جو تباہی و بربادی پھیلاتے ہوئے دہشت و ہلاکت پر یقین رکھتے ہیں۔!!!

○☆○

زندگی اور موت

چہارشنبہ کی رات دہشت گردانہ حملے کے دوران ایلن جونز، ٹرائیڈنٹ ہوٹل میں اپنے ایک ساتھی ایلکس چیمبرلین کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں قیام پذیر تھے۔ٹرائیڈنٹ ہوٹل ممبئ کے ایک اور بڑے ہوٹل اوبرائے ہوٹل کے ساتھ واقع ہے۔ جب ہوٹل میں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ دہشت زدہ ہوکر افراتفری کی حالت میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے تو وہ دونوں بھی خوف کے عالم میں جان بچانے کی خاطر بالائی مالے پر جانے کی کوشش میں لفٹ میں سوار ہونے لگے اس اثناء میں انہوں نے دو کیاپ پہنے ہوئے مسلّح نوجوانوں کو دیکھا۔ جن میں سے ایک بلیٹ پروف جیکٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔اس نے اپنی کمر سے بیاگ بھی باندھ رکھا تھا۔ وہ لوگوں سے اوپر جانے کو کہہ رہے تھے۔؟

اچانک دونوں مسلّح نوجوانوں نے لفٹ کی جانب پلٹ کر بہ یک وقت رعونت بھرے انداز میں ان سے پوچھا۔

''کیاتم لوگوں میں کوئی امریکی یا برطانوی شہری تونہیں ہے''۔؟

”ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔انھیں نہ بتانا کہ ہم برطانوی باشندے ہیں۔ورنہ ہم جان سے ماردیئے جائیں گے“۔ایلکس نے ایلن سے سرگوشی کے لہجہ میں مشورہ دیا۔ ”نہیں۔نہیں۔ہم میں کوئی امریکی اور نہ ہی برطانوی شہری ہے“۔دونوں نے اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا۔

تڑ۔تڑ۔تڑ۔اس کے ساتھ ہی اسلحہ سے لیس نوجوانوں نے بے تحاشہ گولیاں چلانی شروع کردیں۔

جب ہم لِفٹ میں جانے لگے تو ہم میں موجود چار افراد میں ایک جاپانی گولی لگنے سے گھائل ہوگیا تھا۔پھر میں نے جلدی سے لِفٹ کا بٹن دبا کر اسے اندر لے لیا۔لیکن جاپانی کا پاؤں لِفٹ کے دروازے میں ہی پھنسا ہوا تھا۔جس وقت ہم ہوٹل کی اٹھائیسویں منزل پر پہنچے تو ہمیں ہوٹل کے عملے نے وہاں سے فوری زیریں منزل پر چلے جانے کی ہدایت دی۔اس محفوظ تہہ خانے میں ہماری ہی طرح بہت سارے لوگ موجود تھے۔ایلن نے بتایا۔!

دیکھتے ہی دیکھتے پوری ہوٹل میں گولیوں اور دھماکوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔تھوڑی دیر بعد پولیس اور فائر بریگیڈ عملے نے چاروں طرف سے ہوٹل کو گھیر لیا تھا۔ایمبولینس گاڑیاں مہلوکین اور زخمیوں کو ہوٹل سے اسپتال منتقل کررہی تھیں۔

کسی کی بھی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔؟ہمیں کچھ بھی پتہ نہ تھا۔ہم بھی لوگوں کی بھیڑ میں گھرے ہوئے تھے۔جب جان بچنے پر سلامتی کے ساتھ ایک گھنٹہ بعد باہر آئے تو معلوم ہوا کہ یہ دہشت گردانہ حملہ تھا۔محفوظ رہنے پر ہم نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔تب کہیں جا کر ہمارے حواس بحال ہوئے تھے اور ہم نے سکون کی سانس لی تھی۔ایلکس کہنے لگا۔ایلن اور ایلکس جب بھی اس ناقابلِ فراموش ہلاکت انگیز حملے کو یاد

کرتے ہیں تو ان کے سامنے زندگی اور موت کا وہ ہولناک منظر تیزی سے گھومنے لگتا ہے۔کرشمۂ قدرت سے جہاں انھیں اپنی زندگیاں بچ جانے پر خوشی ہوتی ہے تو وہیں معصوم انسانوں کی بے سبب ہلاکت پر غم بھی ہوتا ہے۔وہ دونوں صِدق دل سے بس یہی دعا کرتے ہیں کہ۔خدا۔!انھیں ایسا قیامت خیز نظارہ کبھی نہ دکھائے۔اور سب کو ہمیشہ دہشت گردی سے محفوظ رکھے۔!!!

○☆○
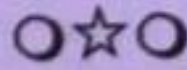
او بہنا۔! تجھے بُھلا نہ پاؤں گا

اس خون آشام شب کے ساڑھے نو بجے کے قریب قلابہ کی مشہور ریستوران لیو پولڈ کیفے(Leopold Cafe) میں گھس کر دہشت گرد حملہ آوروں کے ایک گروپ نے پہلا بم دھماکہ اور فائرنگ کی تھی ۔ جس کے ساتھ ہی درجنوں مقامات پر ترتیب وار بم دھماکوں اور لگاتار فائرنگ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔!

جب لوگ رسٹورنٹ کی زیریں منزل پر ڈنر میں مصرف تھے۔اس وقت دہشت گرد وہاں داخل ہو کر لوگوں پر اندھا دھند گولیاں چلانا شروع کر دیئے۔شیواجی کی بہن بھی کھانا کھا رہی تھیں۔لیکن وہ پہلی منزل پر بار(BAR) میں تھے۔ مجھے گولیوں کی گھن گرج اور لوگوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔کسی نے چلا کر کہا تھا۔''اپنی جان بچانے کے لئے بھاگو۔'' اس کے ساتھ ہی لوگ جن میں مقامی شہری اور بیرونی مہمان بھی تھے جدھر راہ ملی دوڑنے لگے تھے۔مگر میں نے حرکت نہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔شیواجی نے کہا۔

اس دوران شیواجی نے اپنی بہن کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اسے فون پر

پیام بھیجا۔''بہن۔! تم کیسی اور کہاں ہو۔؟ مجھے فوری جوابی پیام بھیجو''۔!

لیکن بہن کی جانب سے انھیں کوئی پیغام نہیں ملا۔وہ بے چین اور پریشان ہو گئے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ نچلی منزل پر جو ہلاکت انگیزی چھائی ہوئی تھی وہ اب بھیانک خاموشی میں بدل گئی ہے۔انھیں ایسا لگا کہ جیسے زبردست سیلاب اور طاقتور طوفان اپنی ہلاکت خیزی سے قیامت بر پا کر کے تھم چکا ہے۔اور اپنی خون خوار لہروں میں انسانی جانوں کو سمیٹ لے گیا ہو۔تب انہوں نے نیچے اترنے کا فیصلہ کرلیا۔جیسے ہی ہال میں قدم رکھا تو ہر سمت لوگ ہلاک اور زخمی حالت میں پڑے ہوئے اور جگہ جگہ خون پھیلا ہوا دکھائی دیا جو مہمان ڈنر کر رہے تھے لقمہ اجل بن گئے تھے۔اور وہ سمجھ گئے کہ ان کی بہن نے پیغام کا جواب کیوں نہیں دیا تھا۔! پھر شیواجی کو یہ گمان ہوا کہ ان کی ہمشیرہ بھی اور لوگوں کی طرح دہشت زدہ ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر یہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہو گی جب کافی دیر بعد بھی اس کا کوئی پتہ نہ چلا تو وہ اسے تلاش کرتے ہوئے اسپتال پہنچے۔ جہاں ریستوران میں ہلاک اور زخمی افراد کو رکھا گیا تھا۔دواخانے کا دردناک ماحول دیکھ کر وہ کانپ اٹھے۔پھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے ہوئے آہیں بھرتے اور سسکیاں لے لے کر ایک کے بعد دیگر مہلوکین کے چہروں سے چادریں ہٹانے لگے۔جیسے ہی ایک لاش کے آگے ٹھہرے تو ان کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔''نہیں۔! نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا''۔

پھر وہ اپنا سر پیٹتے ہوئے دہاڑیں مار کر رونے لگے۔انہوں نے ابھی اس لاش کے چہرے سے چادر ہٹائی بھی نہ تھی۔مگر چادر سے باہر نکلے ہوئے پیروں سے ظاہر ہو گیا تھا کہ یہ ان کی بہن کی نعش ہی ہے۔بہن کے تعلق سے پہلے انہوں نے جو سمجھا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔انھیں بہن کی خیریت کی بجائے ہلاکت کا ناقابلِ فراموش الم نصیب ہوا تھا۔وہ جو کبھی اپنی بہن کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔اب انھیں اس کی دائمی مفارقت کا صدمہ جانکاہ

برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ بیو کا چہرہ دیکھ کر انھیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کی کھلی آنکھیں اور ہونٹ ان سے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ ''شاید یہی کہ بھیا۔! آپ میرا غم نہ کرنا۔ اپنا خیال رکھنا''۔۔!

شیواجی اپنی بہن سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کی ابدی جدائی نے انھیں نیم جاں کر دیا تھا۔ وہ بھائی جو اپنی لاڈلی بہن کی ڈولی کے بجائے اپنے کندھوں پر اس کی ارتھی اٹھائے، اس کے دلی کرب کا اندازہ وہی خوب جانتا تھا۔ درندہ صفت دہشت گردوں نے اپنی بہیمانہ کاروائی سے اس طرح کسی نہ کسی فرد کو اپنے چہیتوں سے جدا کر کے انھیں اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ جب بھی وہ اپنی ہمشیرہ کو یاد کرتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں۔ شیواجی نے تصور میں بھی نہیں سوچا تھا کہ پل بھر میں ایسا المناک سانحہ پیش آئے گا۔ جو ہمیشہ کے لئے ان کی زندگی کا غمناک حصہ بن کر انھیں تڑپا تا رہے گا۔

لیو پولڈ کیفے میں جو بربریت اور وحشت خیز کارستانی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی انسان یقین نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی جارحیت اور دہشت تو لوگوں نے صرف ڈراؤنی اور سنسنی خیز فلموں میں ہی دیکھی تھی۔ لیکن یہ حقیقت اس وقت سب کے سامنے تھی۔ مگر ایسے بزدلانہ حملوں سے ممبئی کے لوگ ذرا بھی خائف نہیں ہوئے۔ وہ برابر ہر روز ہوٹل میں آتے رہتے ہیں۔ اور آتے رہیں گے۔ ''کیا کبھی جیالے لوگوں کا حوصلہ اور عزم کسی اندوہناک واقعہ سے متزلزل ہوتا ہے۔؟ نہیں۔ بلکہ اس میں مزید حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی حال ممبئی والوں کا ہے'' شیواجی نے بڑے ہی اعتماد کے ساتھ پُر عزم لہجہ میں کہا۔؟؟؟

○☆○

انجام پہ رونا آیا

لکشمی نارائین گوئل شہر حیدرآباد کے ایک معروف وکیل تھے۔ وہ بہادر پورہ علاقہ کے ساکن تھے۔ انہوں نے پچھلے چار دہوں سے اپنے چھوٹے بھائی رام کشن گوئل کے ہمراہ حیدرآباد کو اپنا جائے مسکن بنالیا تھا۔ ان کا تعلق ضلع جنجونہ، ریاست راجستھان سے تھا۔ وکلاء برادری میں ان کی ایک منفرد حیثیت تھی۔ وہ گذشتہ دس سالوں سے بحیثیت کسٹمز اور سنٹرل اکسائز ٹیکس کنسلٹنٹ کے خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ بسکٹ فیکٹریز اور دال ملز چلایا کرتے تھے۔ لکشمی نارائین ٹیکس کی ادائیگی اور دیگر متعلقہ امور کے سلسلہ میں اکثر و بیشتر بنگلور اور دوسرے مقامات کا سفر کیا کرتے تھے۔ اس طرح وہ ممبئی گئے ہوئے تھے۔ ان کے ارکان خاندان کو توقع تھی کہ وہ اپنا کام انجام دینے کے بعد لوٹ آئیں گے۔ لیکن انھیں کیا پتہ کہ وہ کبھی بھی واپس نہیں ہوں گے۔!

"لکشمی نارائین 23 رنومبر بروز یکشنبہ حیدرآباد سے ممبئی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ ان کی طے شدہ مصروفیت کے مطابق انھیں 27 رنومبر پنجشنبہ کے دن حسین ساگر ایکسپریس

ٹرین سے حیدرآباد لوٹ جانا چاہیے تھا۔مگر ٹریفک میں گھر جانے سے وہ 26/نومبر کی رات کو دس بجے چھترپتی شیواجی ٹرمینس (CST) نہ پہنچ سکے اور مقررہ ٹرین چھوٹ جانے پر پسینجر ٹیکسی کے ذریعہ اپنی نسبتی بہن کے پاس کنجاولی (KANJAVALI) جارہے تھے۔جو راستے میں ہی بم دھماکہ سے پھٹ پڑی۔"لکشمی نارائین کے رشتہ دار سریکانت کہنے لگے۔

"بیٹا۔! آج رات 8.30 بجے کی ٹرین مجھے نہیں مل سکی۔میں صبح کسی بھی گاڑی سے آجاؤں گا۔اب میں تمہاری ہمشیرہ کے یہاں ٹھہرنے جارہاں ہوں۔سب تو ٹھیک ہے نا۔؟تم اپنا خیال رکھنا۔میری فکر مت کرو۔اچھا۔اوکے۔بائے۔بائے۔"لکشمی نارائین نے اپنی اہلیہ کو فون پر بتایا۔

اس کے بعد لکشمی نارائین پرسکون انداز میں پسینجر ٹیکسی میں سوار ہوکر کنجاولی روانہ ہو گئے۔انھیں کیا معلوم تھا کہ یہ ان کی زندگی کا آخری سفر ہے۔ان کے جانے کے آدھا گھنٹہ بعد ہی سی ایس ٹی(CST) پر دہشت گردوں کی وحشیانہ فائرنگ اور مختلف مقامات پر ہلاکت انگیز حملے شروع ہو گئے۔جس سے سینکڑوں بے قصور ومعصوم لوگ ہلاک ہورہے تھے۔کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح دہشت گردانہ بم دھماکے کا نشانہ بن جائیں گے۔جب ان کی ٹیکسی نمبر MH 01-G-7792-اندھیری علاقہ سے گذرتی ہوئی گولڈن سوان ہوٹل(GOLDEN SWAN HOTEL) سے ہوکر ویسٹرن ایکسپریس ہائے وے(WEH) کے بعد جیسے ہی ولے پارلے کے مقام پر داخل ہوئی تو زبردست بم دھماکہ سے دوحصوں میں بٹ گئی اور اس کے پرزے سو میٹر کے فاصلے پر جا گرے۔!ایسا لگتا ہے کہ دہشت گردوں نے ٹیکسی پر دستی بم پھینکا تھا۔جس سے دھماکہ ہوا۔اور وہ تباہ ہوگئی۔ابھیشک گوئل نے خیال ظاہر کیا۔

گمان یہ بھی تھا کہ ٹیکسی میں نصب کیا گیا بم پھٹ پڑا ہوگا۔جس کی زد میں آ کر لکشمی نارائین کے ساتھ ٹیکسی ڈرائیور اور نا معلوم مسافر بھی جائے حادثہ پر ہی ہلاک ہو گئے تھے۔لکشمی نارائین کی لاش بری طرح مسخ ہو چکی تھی۔جس کی شناخت ان کے پاس موجود شخصی دستاویزات سے ممکن ہو سکی۔

''دھماکہ اتنا زور دار تھا کہ اس سے میرے مکان کی ٹیوب لائٹ چکنا چور ہوگئی تھی''۔ولے پارلے کے مکین سنتوش جادھو نے بتایا۔

ٹیلیویژن پر ممبئی کے ہلاکت خیز حملوں کے مناظر دیکھ کر حیدرآباد سے لکشمی نارائین کے گھر والے انھیں مسلسل فون کرنے لگے تھے۔لیکن ہر بار فون بند ہونے کی اطلاع مل رہی تھی۔اپنی نسبتی بہن اوشا کے مکان نہ پہنچنے پر وہ لوگ بھی کافی تشویش میں مبتلا تھے۔کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ جس ٹیکسی میں سفر کر رہے تھے بم دھماکہ سے اس کے پرخچے اڑ گئے ہیں اور ان کی ہلاکت واقع ہوگئی ہے۔ان کے پریشان حال ارکان خاندان ان سے ربط پیدا نہ ہونے پر مختلف پولیس اسٹیشنوں اور دواخانوں میں ان کے بارے میں دریافت کرنے لگے تھے۔اس درمیان انھیں ولے پارلے کے کوپر ہاسپٹل (Cooper Hospital) سے یہ لرزہ خیز خبر ملی کہ لکشمی نارائین، کی ٹیکسی بم دھماکہ سے موت واقع ہوگئی اور ان کی شناخت شخصی دستاویزات کی دستیابی سے ہوئی ہے۔!

لکشمی نارائین کے گھر والے یہ صدمہ انگیز اطلاع پا کر سکتے میں آگئے۔انھیں یقین نہیں آیا کہ وہ واقعی ہلاک ہو گئے ہیں۔کیوں کہ کچھ دیر قبل ہی انہوں نے سب کی کیفیت سے آگاہی حاصل کی تھی۔ان کے پسماندگان میں بیوی کے علاوہ چار بیٹیاں ہیں۔جن میں سے تین کی شادی ہو چکی ہے۔ایک بیٹی دیکشا اگروال ممبئی میں رہتی ہے۔ان کے تین کمسن نواسے اپنے چہیتے نانا کی اچانک ہلاکت پر زار و قطار رونے لگے تھے۔دہشت

گردانہ بم دھماکہ کا شکار یہ مظلوم خاندان اس المیہ پر تصویر الم بنا ہوا تھا۔ان کی آخری رسومات ناگپور میں انجام دی گئیں۔ جہاں ان کے تین بھائی قیام پذیر ہیں۔ پانچ بھائیوں میں وہ چوتھے مقام پر تھے۔!

لکشمی نارائین کی ابدی جدائی کے غم کا مداوا کبھی نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی ان کی ہلاکت کی تلافی ممکن ہو سکے گی۔ یہ دکھ و درد ہم ہمیشہ آہیں بھرتے اور سسکیاں لیتے ہوئے سہتے رہیں گے۔ ان کی محبت بھری یاد ہی ہماری تسلی کا باعث ہوگی۔ غمزدہ مینا دیوی نے مسلسل بہتے آنسوؤں کو اپنے آنچل میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

اس دلخراش صدمے سے نڈھال لکشمی نارائین کی لڑکیاں کبھی ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہی تھیں تو کبھی گریہ وزاری کرتی ہوئی ماں کو دلاسہ دیئے جا رہی تھیں۔ایک خوشحال گھریوں یکا یک ماتم کدہ میں بدل جائے گا۔کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔سنجیدہ اور مسکراتے ہوئے لکشمی نارائین گوئل کا ایسا المناک انجام ہوگا کوئی سوچا بھی نہ تھا۔!!!!!

○☆○

حوصلہ

وہ چہارشنبہ کی رات شہریانِ ممبئی نے انتہائی تشویش اور کشمکش کی حالت میں گذاری تھی۔ جب شہر میں چاروں سمت اچانک بھیانک بم دھماکے، خوفناک گرینیڈ حملے اور بھاری گولی باری شروع ہوگئی تھی۔ ان ہلاکت انگیز حملوں کی تفصیلات جاننے کے لئے وہ نہایت مضطرب ہوگئے تھے۔ پھر وہ پوری رات اپنے چہیتوں وعزیزوں کی خیریت دریافت کرنے اور حالات حاضرہ سے واقفیت کے لئے ٹیلی ویژن دیکھتے رہے۔ ہر شخص متحیر اور متجسس تھا!

ممبئی میں ہوئے گذشتہ دہشت گردانہ بم دھماکوں سے یہ مہلک حملے بالکل مختلف تھے۔ حملہ آوروں نے کافی منصوبہ بندی سے یہ ہلاکت خیز کارستانی انجام دی تھی۔ کاکولی نے سلسلہ وار ٹرین بم دھماکوں کا سامنا کیا تھا اور خوش بختی سے محفوظ رہی تھی۔ اس کے خیال میں صورتحال اُس وقت اتنی سنگین نہیں تھی۔ اس مرتبہ شہر کے متعدد علاقوں کو بربریت، دہشت اور ہلاکت کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان حملوں کی اطلاع ممبئی کے لوگوں کو اُس وقت ملی جب وہ یا تو رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے یا پھر دن بھر کی مصروفیت کے

بعد احباب واقارب کی ملاقات سے لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایسی راحت کی گھڑیوں میں دہشت گردی، خون ریزی اور ہلاکت خیزی کی فضا چھا گئی تھی۔ کاکولی بھی اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنی سہیلیوں کے پاس ڈنر میں شرکت کے لئے باندرہ گئی تھی۔!

جب ہر طرف سے بم دھماکوں کی گڑگڑاہٹ اور گولیوں کی گھن گرج کی اطلاعات ملنے لگیں تو کاکولی بیحد پریشان ہوگئی اور فوری اپنا ڈنر منسوخ کر کے گھر چلی آئی۔ اسے اپنے خاوند نگچی کی سلامتی کی فکر لاحق ہونے لگی تھی جو اپنے دوستوں سے ملنے کہیں گیا ہوا تھا۔ اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے اسے فون کرنے لگی۔

"ڈیئر۔! آپ اس وقت کہاں ہیں۔؟ سارے شہر کے حالات دہشتناک ہوگئے ہیں۔ میں کافی دہشت زدہ ہوں۔ پلیز۔ آپ جلدی سے گھر لوٹ آئیں۔" وہ تفکرانہ لہجہ میں بولی۔

میں فی الوقت ولے پارلے میں ہوں۔ تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جلد ہی واپس ہو جاؤں گا"۔ نگچی نے جواب دیا۔!

نگچی آدھی رات دیر گئے بھی نہیں لوٹا تو کاکولی مختلف اندیشوں میں گھِر گئی۔ پھر ولے پارلے کے پاس ہوئے بم دھماکہ کی خبر سن کر وہ مزید گھبرا اُٹھی۔ اس نے دوبارہ شوہر کو فون کرنا چاہا تو گھر کے فون کا رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ اسی کشمکش میں وہ ہذیانی کیفیت سے دوچار ہو کر زار و قطار رونے لگی۔ جب اس نے پڑوسن کے موبائیل سے بات کرنے کی کوشش کی تو شوہر کا فون بند ہونے کی اطلاع مل رہی تھی۔ اب کاکولی، کو یہ خدشہ پیدا ہوگیا تھا کہ نگچی کو کچھ ہوگیا ہے اور اب کبھی گھر نہیں آئے گا۔ پھر یہ سوچ کر آہ وزاری کرنے لگی کہ وہ بیوہ ہوگئی ہے۔ اس کی سینہ کوبی اور گریہ وزاری دیکھ کر ایک سہیلی نے اسے تسلی دی۔

"بہن۔! تم خواہ مخواہ رو رہی ہو۔ جیجاجی کو کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ اگر اسے واقعی کچھ ہوگیا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔۔! ہم سب کو بھی تو ایک دن مرنا ہے۔"

اتنا سنتے ہی وہ اپنی سہیلی پر یوں برس پڑی جیسے اس کا گلا گھونٹ دینا چاہتی ہو۔ ''مم۔ میں تو تمہیں دلاسہ دے رہی تھی۔ اچھا۔ بابا۔! مجھے معاف کرو''۔ سہیلی نے کہا.

رات ایک بجے کے بعد نکّی کی آمد ہوئی تو کاکولی کو اسے زندہ حالت میں دیکھ کر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ دیوانہ وار دوڑتی ہوئی جا کر اس سے لپٹ گئی اور گلہ کرتے ہوئے آہیں بھرنے لگیں۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا تھا۔؟ جو گھر آنے میں اتنی تاخیر کردی۔ میں تو یہی سمجھ بیٹھی کہ تم مجھ سے جدا ہو گئے ہو۔'' ارے۔! تم تو الجھن اور تناؤ کا شکار ہو کر نجانے کیا کیا سوچتی رہی۔ میں تو خوش نصیبی سے سلامت ہوں۔ جس وقت وِلے پارلے کے مقام پر ٹیکسی میں بم پھٹ پڑا تھا۔ میں اس سے ذرا فاصلہ پر 'پب' (pub) میں دوستوں کے ساتھ تھا۔ شہر میں ہو رہے جان لیوا حملوں کے پیش نظر میں وہیں ٹھہر جانا مناسب سمجھا۔ اس لئے گھر آنے میں دیر ہو گئی''۔ نکّی نے بیوی کی گھبراہٹ دور کرتے ہوئے وضاحت کی۔

کاکولی پر طاری خوف اور خدشہ کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ وہ ذہنی دباؤ کم ہونے پر عام حالت پر واپس آچکی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر حقیقت میں نکّی کو کھو دیتی تو واقعی رو رو کر مر گئی ہوتی۔ شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ وہ اپنے خاوند کے محفوظ لوٹنے پر خوش و خرم تھی۔ لیکن جیسے ہی اسے دیش کی ان ستم رسیدہ و مظلوم بہنوں کا خیال آیا تو وہ کافی مغموم ہو گئی۔ جن کے بے گناہ و معصوم شوہر' ظالم حملہ آوروں کی ہلاکت خیز کاروائی کا شکار ہو کر ہمیشہ کیلئے ان سے بچھڑ گئے تھے اور وہ بیوائیں بن کر لمحہ بہ لمحہ سسک رہی تھیں۔

کاکولی۔! تجھے اپنے اندر حوصلہ پیدا کر کے ان بے سہاروں کا سہارا بن کر ان کا درد اور دکھ بانٹتے ہوئے ان کی مدد کرنی چاہیئے۔ آخر وہ بھی تو تیری طرح عورت ہیں''۔ اس کے دل نے چپکے سے کہا۔ اپنے دل کی صدا پر کاکولی ایک نئے عزم اور ہمت کے ساتھ حوصلہ مند خاتون کا روپ اختیار کر چکی تھی۔!!!!

○☆○

مادر وطن کے لئے

جب نیشنل سیکوریٹی گارڈ کے کمانڈوز نے نریمان ہاؤس سے حملہ آور دہشت گردوں کا صفایا کر کے اسے مکمل طور پر قبضے سے آزاد کرالیا تو مقامی باشندوں نے انھیں شاباشی دیتے ہوئے ان کا والہانہ خیر مقدم کیا تھا۔اور خراج تحسین پیش کرتے ہوئے گلدستوں کے نذرانے کے ساتھ مبارکباد دی تھی۔ پھر حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر ''بھارت ماتا کی جے'' کے گرجدار نعرے لگائے تھے۔''آپریشن بلیک ٹورنیڈو'' کے اختتام پر جہاں کمانڈوز خوش وخرم تھے تو وہیں انھیں، دہشت گردوں کے ہاتھوں اپنے ایک ساتھی کے علاوہ پانچوں یرغمالیوں کی ہلاکت کے تکلیف دہ احساس پر رنج وغم بھی تھا۔!

آپریشن کی کامیابی کے بعد کمانڈوز کی رخصتی سے پہلے بہت سے لوگ ان ک ساتھ تصویر کھچوا رہے تھے۔ان میں سے ایک مقامی باشندہ اور پیشہ کے اعتبار سے آئسکریم فروش حنیف شیخ بھی تھا۔جو نریمان ہاؤس کے باہر آئسکریم فروخت کیا کرتا ہے۔حملہ کی رات، دہشت گرد حملہ آوروں نے آس پاس کے علاقوں میں دہشت وہلاکت انگیز کارستانی

انجام دیتے ہوئے نریمان ہاؤس میں گھس کر قبضہ جمالیا تو اس کے بعد پولیس اور کمانڈوز کو اس جگہ کے چپے چپے کی خبر دینے اور انھیں نریمان ہاؤس تک پہنچانے کی ذمہ داری حنیف شیخ نے ہی نبھائی تھی۔ مقامی عوام نے وہاں کی سبھی رہائشی عمارتوں کی بخوبی جانکاری رکھنے والے اور نریمان ہاؤس کے قریب رہائش پذیر حنیف شیخ کا نام ہی پیش کیا تھا۔ وہی اس علاقہ کی تنگ گلی میں تین عمارتوں کے درمیان واقع نریمان ہاؤس تک پولیس اور کمانڈوز کو لیجانے میں نہ صرف ان کی رہنمائی کی بلکہ آپریشن کے خاتمے تک ایک سچے محبِ وطن اور بہادر شہری کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ تھے۔!

نریمان ہاؤس پر قبضے کے بعد سے ہی پولیس اس مقام پر قیام کیے ہوئی تھی۔ اس کے بعد صبح کو کمانڈوز آئے تھے۔ حنیف شیخ نے انھیں اس عمارت کا تفصیلی خاکہ تیار کر کے مکمل معلومات فراہم کیں تو وہ بہت خوش ہوئے اور انھیں اپنے ہمراہ نریمان ہاؤس لے گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر کمانڈوز کے ساتھ وہ بھی پہلی منزل پر ٹھہر گئے۔ آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ کیوں کہ تیسری اور چوتھی منزل پر دہشت گرد روپوش ہو کر وقفہ وقفہ سے فائرنگ اور دھماکے کر رہے تھے۔ اس ہلاکت خیز حالات میں حنیف شیخ نے یرغمالی یہودی خاندان کے ایک شیر خوار بچے کو بحفاظت باہر نکالنے میں اعانت کی۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اطراف واکناف کے مکینوں کو محفوظ مقامات تک سلامتی سے پہنچانے میں تعاون بھی کیا۔ ایسے دہشتناک ماحول میں انھیں بم دھماکوں اور گولی باری سے ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوا۔! ''بھلا۔! مجھے ڈر کیوں لگتا۔ میں تو کمانڈوز کی زیر نگرانی تھا۔ جو مجھے ہمیشہ گھیرے ہوئے رہتے۔''

کمانڈوز نے بہت ہی زبردست کارنامہ انجام دیا تھا۔ جب حملوں کے وقت دہشت گرد لفٹ کے ذریعے الگ الگ منزلوں پر جا کر گولیاں چلا رہے تھے تو یہ دیکھ کر انہوں نے

لفٹ ہی اڑادی تھی۔جس کی وجہ سے حملہ آوروں کی ہلاکت خیزی محدود ہوکر رہ گئی تھی۔حنیف شیخ نے کمانڈوز کی کاروائی کی تعریف کے ساتھ ان کی کامیابی کا اعتراف بھی کیا تھا۔!

کمانڈوز ابتداء ہی سے یہ کوشش کررہے تھے کسی طرح یرغمالیوں کو کسی قسم کا گزند پہنچنے سے پہلے ہی محفوظ طریقہ سے اغواء کنندگان کے چُنگل سے نکال لیا جائے۔مگر ایسا نہ ہوسکا تھا۔اس مقصد کی خاطر ہی ایک جاں باز کمانڈوز نے اپنی قیمتی جان قربان کردی تھی۔جن کی دلیری اور قربانی پر ساری قوم فخر کرتی ہے۔اس دوران دونوں دہشت گردوں کو مار گرائے جانے کے بعد دستی بموں اور فائرنگ کی آوازیں تھم گئی تھیں۔ان کی جانب سے RDX کے استعمال کے امکانات کے پیش نظر کمانڈوز نے سخت احتیاط وچوکسی برتی اور انھیں اس اقدام سے باز رکھنے کیلئے ہر ممکنہ کوشش کی تھی۔نریمان ہاؤس کا قبضہ بحال ہوگیا تھا۔کمانڈوز فاتحانہ انداز میں واپس ہونے لگے تھے۔اس موقع پر حنیف شیخ نے سب کمانڈوز سے بغلگیر ہوکر انھیں مبارکباد دی اور ان کی خدمات کو سراہا۔جوابِ میں کمانڈوز نے بھی حنیف شیخ کے پرخلوص جذبات اور بے لوث خدمات کی ستائش کی۔

''میں نے تو ایک ہندوستانی کی حیثیت سے اپنا قومی فریضہ پورا کیا ہے۔اور مجھے اپنے ملک وقوم کے لئے خود کو پیش کرنے پر بیحد اطمینان اور سکون محسوس ہورہا ہے۔میں تمام برادرانِ وطن سے یہی کہنا چاہوں گا کہ وہ وقت آنے پر مادرِوطن کے واسطے جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہوکر خدمت کے لئے تیار رہیں۔اور دعا کرتا ہوں کہ پھر کبھی ایسا وحشتناک منظر برادران ہند کو دیکھنے کو نہ ملے اور مادر ہند ایسے مہلک حملوں سے سدا کے لئے محفوظ رہے''۔حنیف شیخ نے انتہائی رقت آمیز لہجہ میں کہا۔!!!!

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زنیت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زنیت

یار زندہ صحبت باقی

قُلابہ۔(Colaba) کے ساکن سنجے بھسے نے نریمان ہاؤس (موجودہ نام شابد ہاؤس) میں ہوئے کمانڈوز آپریشن کا ابتداء سے انتہا تک بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔جب سیاہ لباس میں ملبوس کمانڈوز۔ (Black Cat Commondos) کی آمد ہوئی تو ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرح ان کا ساتھ دے۔اس اثناء میں اس کی اہلیہ نے غیر معمولی جُرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے خوف وخطر ہو کر سنجیدگی سے کمانڈوز کی مدد کرنے لگیں۔حاجی بھائی ٹرسٹ بلڈنگ سے موسوم تین منزلہ عمارت میں ان کی رہائش گاہ جو نریمان ہاؤز کے بالکل مدمقابل تھی جہاں سے کمانڈوز نریمان ہاؤز کی چوتھی منزل کا نظارہ آسانی سے کرسکتے تھے۔اس لئے کمانڈوز نے یہاں اپنا مورچہ سنبھال لیا تھا۔!
حاجی بھائی ٹرسٹ بلڈنگ پر جملہ پانچ کمانڈوز کو متعین کیا گیا تھا۔دو کمانڈوز نے دوسری منزل پر اور باقی تین نے بالائی حصّہ پر اپنا جائزہ لے لیا تھا۔سنجے نے تین راتیں مسلسل جاگ کرگذاری تھیں۔کمانڈوز کی تعیناتی کے بعد سے تو وہ اور اُس کی بیوی ان کے

ساتھ ہو گئے تھے۔وہ ہر طرح سے ان کا خیال رکھنے لگے تھے۔تازہ غذاؤں سے ان کی تواضع کیجانے لگی تھی اور ساتھ ہی انہیں ٹیلیویژن کی خبروں اور موجودہ صورتحال سے واقف کروایا جارہا تھا۔جس سے انھیں حالاتِ حاضرہ کو جاننے میں آسانی ہو رہی تھی۔ قلابہ مارکٹ اور آس پاس کے علاقوں کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جارہی تھیں۔!

جمعہ کی صبح جب کمانڈوز کو ہیلی کاپٹر کے ذریعہ نریمان ہاؤز کی چھت پر اتارا جارہا تھا تو ایک دہشت گرد نے یہ منظر دیکھ کر اپنے ساتھی سے ٹھیٹ پنجابی زبان میں چلا کر کہا۔''ان لوگوں کو دکھادو''۔اس کے بعد ہی انہوں نے ایک ہتھ گولہ بم پھینک کر دھماکہ کرتے ہوئے سارے علاقہ میں دہشت پھیلا دی تھی۔

کمانڈوز کے ساتھ ساتھ سنجے بھی نریمان ہاؤز میں جاری دہشت گردوں کی حرکات وسکنات کا واضح طور پر نظارہ کررہا تھا۔

''میں نے دو نوجوانوں کو نریمان ہاؤز میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا جو اپنے ہاتھوں میں غذائی اشیاء تھامے ہوئے تھے''۔سنجے بتانے لگا۔

شابد ہاؤس (نریمان ہاؤز) کی چھ منزلہ عمارت کو یہودیوں نے مختلف حصّوں میں تقسیم کردیا تھا۔پہلی،چوتھی،پانچویں اور چھٹی منزلیں مہمانوں کیلئے مختص تھیں۔دوسری منزل ضیافت کے اہتمام کے لئے تھی۔تیسری منزل کو عبادت گاہ کے طور پر استعمال کیا جارہا تھا۔اس یہودی سنٹر کو دہشت گردوں نے اپنے قبضے میں لیکر بیرونی مہمانوں کو یرغمال بنا نے کے بعد ایک کے بعد دیگرے ہلاک کردیا تھا۔کمانڈوز نے یرغمالیوں کو بچانے کی انتھک کوشیش کیں اور انھیں دہشت گردوں کے چُنگل سے چھڑانے کے لئے بھرپور مقابلہ کیا۔ بالآخر کمانڈوز نے دہشت گردوں کا صفایا کر کے نریمان ہاؤز کو آزاد کرالیا تھا۔اس کاروائی میں ایک جاں باز کمانڈوز نے اپنی جان قربان کردی تھی۔!

آپریشن کے اختتام پر جب نیشنل سیکیورٹی گارڈز کے کمانڈوز رخصت ہو رہے تھے تو ان کے چہروں پر کامیابی کے آثار نمایاں تھے۔مقامی عوام کے ساتھ جس وقت بنجے اور اس کی اہلیہ بھی انھیں مبارکباد دیتے ہوئے وداع کرنے لگے تو ان کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو تھے۔''ہم آپ جیسے جیالے کمانڈوز کے ساتھ بیتے ہوئے ایّام کو کبھی بھول نہیں سکتے۔ملک اور قوم کی حفاظت کے لئے آپ کی خدمات پر اظہار تشکر کے واسطے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ہم زبان سے تو آپ کے احسان کا خاطر خواہ شکریہ ادا نہیں کرسکتے۔لیکن دل کی عمیق گہرائیوں سے بس یہی دعا کرسکتے ہیں کہ''یار زندہ صحبت باقی''۔۔۔!!!

○☆○
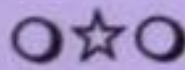
المناک سالگرہ

دو سالہ شیر خوار اسرائیلی لڑکا موشے ٹزوی(MOSHE TZVI) نریمان ہاؤز پر 26/نومبر کی رات کو ہوئے دہشت گردانہ حملے کے بعد اپنے ماں باپ ربی گیوریل ہولٹز برگ اور ریوِیکا ہولٹز برگ سے بچھڑ گیا تھا۔ دو دنوں تک وہ انھیں مسلسل یاد کرتے ہوئے روتا رہا۔ پھر اس کی بیتابی ہمیشہ کیلئے اس وقت مایوسی میں بدل گئی تھی۔ جب دہشت گردوں کے ہاتھوں یرغمال بنائے جانے کے تیسرے روز 28/نومبر کو اس کے والدین' ان کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ اب وہ پھر کبھی اپنے والدین سے مل نہیں سکتا تھا۔ اتفاق سے ماں باپ کی ہلاکت کی تاریخ کو اس کی دوسری سالگرہ تھی۔!

قومی محافظ دستے کے عملے نے نریمان ہاؤز سے حملہ آور دہشت گردوں کا صفایا کردیا تھا۔ انہوں نے ہی دونوں میاں بیوی کی گولیوں سے چھلنی لاشیں تیسرے دن برآمد کی تھی۔ ہاں۔! یہ گیوریل اور ریویکا کی نعشیں ہیں۔ ربی لیوی شیمٹوف' ڈائرکٹر امریکن فرینڈس آف باوِچ نے تصدیق کی۔

موشے کے دادا دادی شیمون اور یہودت روزنبرگ نریمان ہاؤز پر حملہ کے بعد اس کے والدین کو یرغمال بنالئے جانے کی اطلاع پاتے ہی اسرائیل سے ممبئی کے لئے روانہ ہوچکے تھے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بیٹے اور بہو کی بحفاظت رہائی عمل میں آئے اور اس کے بعد ہی ہمارے پوتے موشے کی دوسری سالگرہ کا اہتمام کیا جائے گا۔شیمون اور روزنبرگ کہنے لگے۔

لیکن ان کی آرزو پوری نہ ہوسکی۔ ان کے بیٹے اور بہو بدقسمتی سے ہلاکت کا شکار ہوگئے تھے۔جس کے باعث موشے کی سالگرہ کی مقررہ تقریب منسوخ کردی گئی تھی۔!

ستر سالہ یہودی خاتون کارل برکسن جو ہوٹل کے قریبی علاقہ میں رہائش پذیر تھیں۔ وہ یہودی سنٹر نریمان ہاؤز پر دہشت گردانہ حملہ کے سبب تشویش میں مبتلا ہوگئی تھی۔اس نے تین گھنٹے یرغمال جوڑے کی خیریت دریافت کرنے کیلئے انتہائی فکرمندی سے نریمان ہاؤز سے کچھ دور ٹھہر کر گذار دیئے تھے۔وہ گذشتہ دس برسوں سے انھیں بخوبی جانتی تھی۔!یہ جوڑا ہندوستان میں پچھلے کئی سالوں سے خیراتی وفلاحی خدمات انجام دے رہا تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ ان دونوں نے ممبئی کے چال اور پسماندہ مقام کے نزدیک سکونت اختیار کرنے کا انتخاب کیا تھا۔تاکہ غریب ومفلس مریضوں کی تیمارداری کی جاسکے۔میں ایسے پریشان کن حالات میں ان کی سلامتی کے لئے دعا گو ہوں۔کارل برکسن نے تشویشناک انداز میں کہنے لگیں۔!

یتیم وَلیسر موشے اپنے دادا دادی کے ساتھ ممبئی سے اسرائیل کے شہر تل ابیب (TALAVIV) روانگی سے قبل ایسا پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے ہچکیاں لے رہا تھا۔ جیسا کہ وہ اپنے مہلوک والدین کو یاد کررہا ہوں۔ممبئی سے اس کی روانگی ایک خصوصی طیارہ کے ذریعہ ہوئی تھی۔موشے کے ساتھ اس کی خادمہ سانڈرا ایسمویل بھی ہمراہ تھی۔جس نے اسے حملہ کے دوران محفوظ طریقہ سے بچالیا تھا۔اس کی پرورش اور دیکھ بھال کی خاطر سانڈرا کے لئے خاص طور پر ویزا فراہم کیا گیا تھا۔!

○☆○

آدھی رات کے آنسو

مہاراشٹرا انسداد دہشت گردی اسکواڈ (ATS) کے چیف 54 سالہ ہیمنت کرکرے نے آخری بار ملک کے سب سے بڑے اور سنگین دہشت گردانہ حملوں کو پسپا کرنے کے لیے حفاظتی ہیلمٹ پہنی، ٹیلی فون پر بات کی اور بلیٹ پروف جیکٹ پہن کر دہشت گردانہ حملوں کے مقام پر روانہ ہوگئے۔ پھر وہ انتہائی دلیری اور پامردی کے ساتھ دہشت گردوں سے نمٹنے کے دوران کاما ہاسپٹل کے قریب شہید ہوگئے تھے۔ ان کے سینے میں گولیاں پیوست ہوگئی تھیں جس کے بعد وہ شدید زخموں سے جانبر نہ ہوسکے۔ حملہ سے پہلے قوم نے انہیں ٹیلی ویژن پر نیلے رنگ کی قمیص اور سیاہ رنگ کے براؤزرس میں ملبوس دیکھا تھا۔ جن کے اطراف وردی زیب تن کیے ہوئے پولیس جوان ہاتھوں میں واکی ٹاکی تھامے ہوئے تھے۔ یہی ان کا وداعی منظر تھا۔ اس کے بعد قوم کا یہ جیالا سپوت ملک وقوم کے لیے قربان ہوگیا!

اے ٹی ایس سربراہ ہیمنت کرکرے سال 1982ء بیاج کے آئی پی ایس عہدیدار تھے۔ آسٹریا میں ریسرچ اینڈ انالیس ونگ میں سات برس خدمات انجام دینے کے بعد وطن لوٹنے پر انہیں ماہ جنوری 2007ء میں مہاراشٹرا اے ٹی ایس چیف مقرر کیا گیا تھا۔

کرکرے بہتر ڈسپلن اور آزادانہ تحقیقات کے لیے جانے جاتے تھے۔ وہ ایسے بے باک عہدیدار تھے جنہوں نے تھانے، واشی اور پنویل کے سلسلہ وار دھماکوں کے پس پردہ محرکات آشکارا کرتے ہوئے تحقیقات کی تھیں۔ جب کہ انہیں 29 ستمبر 2007 کو مالیگاؤں میں پیش آئے بم دھماکوں کی تحقیقات کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ انہوں نے اپنا فرض بخوبی نبھاتے ہوئے انصاف اور سچائی کی ایک مثال قائم کی تھی۔

مجھے یقین ہے کہ اگر قدرت ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا کرتی ہے تو وہی ہمیں صبر آزما حالات سے نبرد آزما ہونے کی قوت بھی عطا کرتی ہے۔ اگرچہ میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قوت مجھے اس وقت حاصل ہے لیکن یہ قوت مجھے رفتہ رفتہ حاصل ہو جائے گی اور دشوار کن حالات معمول پر آجائیں گے۔

کویتا کرکرے نے شوہر کی شہادت کے بعد ان نصیحت آمیز خیالات کے ساتھ اپنے مستقبل کی توقعات کا اظہار کیا۔

ہیمنت کرکرے نے 1980 میں کویتا سے محبت کی شادی کی تھی۔ ان دنوں وہ پولیس فورس میں شامل نہیں تھے۔ اُس زمانے میں وہ بحیثیت منیجر ہندوستان لیور میں برسر خدمت تھے۔ ایک سال بعد وہ انڈین پولیس سروس (آئی پی ایس) سے وابستہ ہوگئے تھے۔ اس طرح کویتا کرکرے کو ایک پولیس آفیسر کی اہلیہ بننے سے جو حوصلہ ملا تھا وہ اسے سنگین حادثات اور کٹھن حالات کا سامنا کرنے اور سہنے میں مددگار ثابت ہوا۔ خصوصاً جب مشکلات ان کی زندگی کا حصہ بنتے گئے تھے۔ یہی سبب ہے کہ وہ آج اپنے محبوب خاوند کے بغیر زندگی کے مسائل خود حل کرنے کی قابل ہیں۔ جو کہ بلاشبہ ایک حوصلہ مند خاتون ہونے کا ثبوت ہے۔

جب 2008ء سے ہیمنت کرکرے کو دھمکیاں ملنے لگی تھیں تو تب سے ان کے

حالات سخت ہو گئے تھے ۔ ان دھمکی آمیز اطلاعات سے کویتا کرکرے کا دل خوف سے لرزنے لگا تھا۔ ان کی دونوں بیٹیاں جو بیرون ممالک میں تھیں ان کے تحفظ کی چنداں حاجت نہیں تھی۔ مگر ان کا بیٹا آکاش جو پڈار کالج (Puddar College) میں زیر تعلیم تھا اس کی حفاظت کی فکر ماں کو لاحق ہوگئی تھی ۔ بیٹے ! تمہیں چوکس اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے'۔ کویتا کرکرے نے احتیاطاً اپنے اکلوتے فرزند سے کہا۔

لیکن وہ اپنے شوہر کو دوبارہ یہ جملے گوش گذار نہیں کرسکتی تھی ۔ ایک دفعہ جب اس نے ہیمنت کرکرے سے احتیاط برتنے پر زور دیا تھا تو تب اس نے محسوس کیا کہ وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے تھے ۔ اور ان کے روزانہ کے معمولات میں کچھ بھی تغیر نہیں آیا تھا۔ دھمکیاں ملنے والے دنوں اور عام دنوں میں کوئی فرق نہیں تھا وہ ایک بے باک، راست باز اور سیکولر آدمی تھے۔

ہیمنت کرکرے کی موت اس وقت تک واقع نہ ہوئی تھی جب تک کہ کویتا کرکرے نے سرجے جے ہاسپٹل موقوعہ بائیکلہ میں ان کا آخری دیدار نہ کیا تھا۔ وہ جان کنی کے عالم میں اپنی سانسیں پوری کررہے تھے تب سے کویتا کرکرے نے خود کو سنبھالتی ہوئی اس المیہ کو سہنے اور صدمہ پر قابو پانے کی کوشش کرتی آرہی ہے ۔ وہ ہر صبح اور دن کے اوقات میں اپنے آپ کو کام میں مصروف رکھتی ہے اور مختلف مواقع پر جہاں انہیں مدعو کیا جاتا ہے وہاں شریک اجلاس ہوتی ہے یا پھر گھر آئی ہوئی مہمان خواتین کے ساتھ ہوتی ہے جو ان کی خیریت دریافت کرنے آتیں ہیں ۔ ٹیچر ہونے کی حیثیت سے انہیں مصروفیت کے ساتھ مسرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس پیشہ کا مقصد ہی بے لوث اور پرخلوص طریقہ سے درس دینا ہے۔۔

کویتا کرکرے درس و تدریس میں مشغول ہی ایسی رہتی ہیں کہ انہیں کہیں بھی جانے کی فرصت کم ہی ملتی ہے۔ بعض وقت انہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ اس روح فرساء صدمہ پر قابو پانے کی بجائے اس سے فرار اختیار کررہی ہیں ۔ وہ ہر نصف شب کے بعد بیدار ہو کر پلنگ پر

سوچوں میں غلطاں و پیچاں بیٹھ جاتی ہے۔ اس وقت شہید خاوند کے خیالات ان کی یادداشت کے آئینہ پر روشنی کی طرح چکا چوند ہو کر کوندنے لگتے ہیں۔ ایسے لمحات میں وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بے قابو ہو جاتی ہے پھر آہیں اور سسکیاں لینے لگتی ہیں۔ آدھی رات کے آنسوؤں کا یہ سلسلہ ہیمنت کرکرے کی ہلاکت کے بعد سے برابر جاری ہے۔ اس سخت نفسیاتی الجھن سے چھٹکارا پانے میں وہ دقت محسوس کر رہی ہیں۔ جس کے لیے وہ کسی خاتون صلاح کار سے رجوع ہونا چاہتی ہے جو انہیں یہ بتا سکے کہ ایسے ذہنی تناؤ سے کیسے نجات حاصل کی جاسکتی ہے؟ مگر اپنی مصروفیت اور معمولات کی وجہ سے انہوں نے ابھی تک کسی سے صلاح نہیں لی۔

دہشت گردانہ حملوں کے بعد ممبئی شہر میں بھائی چارگی و یکجہتی، آپسی رواداری اور مثبت تبدیلی دیکھ کر کویتا کرکرے کو خوشی ہوئی ہے۔ ہیمنت کرکرے کی شہادت کے بعد تمام شہریوں، سب پولیس آفیسروں اور ان لوگوں نے جن کے افراد خاندان اس بربریت انگیز واردات کی نذر ہو گئے تھے انہوں نے بھی ایک شہید پولیس آفیسر، ایماندار اور فرض شناس عہدیدار کی بیوہ ہونے کے ناطے کویتا کرکرے سے بے پناہ اپنائیت، بے لوث خلوص اور بیکراں ہمدردی کے ساتھ اظہار تعزیت کیا تھا۔ کویتا کرکرے نے سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ قوی توقع ظاہر کی کہ جن پولیس ملازمین نے ان ہلاکت خیز حملوں کے درمیان معصوم انسانوں کو بچانے کے واسطے اپنی قیمتی جانیں قربان کی ہیں انہیں یاد رکھا جائے گا۔ وہ یہی چاہتی ہیں کہ شہریان ممبئی کا جذبہ ہم آہنگی مزید مستحکم ہو اور سب سلامت رہیں۔

کویتا کرکرے، ''اشوک چکرا'' اعزاز یافتہ اپنے شہید شوہر، پر بے حد فخر کرتی ہے اور انہیں 'شہید کی بیوہ' کہنے پر حوصلہ کے ساتھ خوشی بھی حاصل ہوتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تنہا زندگی کا کرب

انکاونٹر اسپیشلسٹ اور اینٹی ٹیرورزم اسکواڈ (اے ٹی ایس) آفیسر وجۓ سلاسکر کا تعلق تعلیمی گھرانے سے تھا۔ ان کے والد پروفیسر تھے۔ وہ سال 1983 کے بیاچ کے آئی پی ایس عہدیدار تھے۔ انہوں نے تقریبا 75 خطرناک مجرمین کو انکاونٹر میں ہلاک کیا تھا۔ ان کی شاندار کارکردگی اور کارہائے نمایاں انجام دہی کے پیش نظر فروری 2008 میں اے ٹی ایس سے وابستہ کر کے ممبئی میں ہوئے دہشت گردانہ سلسلہ وار ٹرین دھماکوں کی تحقیقاتی ذمہ داری سونپی گئی تھی جسے وہ بخوبی نبھا رہے تھے لیکن مادر وطن کا یہ بہادر وتڈر سپوت چھبیس نومبر کی رات ممبئی میں ہوئے زبردست دہشت گردانہ حملوں کے درمیان خونخوار دہشت گردوں سے نمٹتے ہوئے اپنے ساتھی عہدیدار اشوک کامٹے کے ہمراہ میٹرو سینما کے قریب ملک وقوم کے لیے قربان ہوگیا۔۔

اے ٹی ایس آفیسر وجۓ سلاسکر نے اپنے جیون ساتھی کا انتخاب خود کیا تھا۔ ان کی ہونے والی جیون ساتھی اسمیتا کے پاس اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ وہ ایک پولیس آفیسر

سے بیاہی جارہی تھی بلکہ وہ اپنے محبوب اور اس کی محبت پالینے پر ہی بے انتہا خوش تھی۔ وجے سلاسکر کی پسند اور پیار ہی اس کے لیے سب کچھ تھا۔ مگر جب شادی کے بعد جیسے جیسے وجے سلاسکر کی ترقی کا سلسلہ جاری رہا تو اسمیتا کو اس عہدہ کی ذمہ داری اور فرض کا بخوبی احساس ہوتا گیا۔ پھر وہ ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھتے ہوئے خاوند کا بھرپور ساتھ دینے لگی تھی۔ وہ حتی المقدور اس کوشش میں رہنے لگی کہ وجے سلاسکر کی توقعات اور خواہشات پر پورا اترے اور انہیں کوئی شکایت کا موقع نہ دے جو کہ ایک خوشحال اور کامیاب ازدواجی زندگی کی علامت کے ساتھ سمجھ دار خاتون ہونے کا ثبوت بھی ہے جو گھر کو جنت بناتی ہے۔

چاہے دن ہو یا رات ہر وقت حالات سے مقابلہ کے لیے تیار رہنا وجے سلاسکر کی ملازمت کا حصہ تھا۔ انہوں نے کئی نشیب و فراز دیکھے تھے اور امن و قانون کی بالادستی اور قیام کے لیے کئی دشوار گذار مراحل کا سامنا کیا تھا۔ چھبیس نومبر کو ہوئے دہشت گردانہ حملے بھی ان کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن سے نمٹنے کے دوران وہ اپنی جان عزیز نثار کر دیئے تھے۔ جس کا اسمیتا نے خواب و خیال میں بھی گمان نہیں کیا تھا۔

ملک کے سب سے بڑے بربریت انگیز حملوں کی افسوسناک اطلاع پاتے ہی وجے سلاسکر فوری مقام واردات پر روانہ ہوگئے اور ان کے اہل خانہ ٹیلی ویژن دیکھنے لگے۔ جب نیوز چینلوں پر بار بار حملوں کے ابتدائی مناظر ٹیلی کاسٹ کیے جارہے تھے تو وہ لوگ ٹی وی بند کر کے سونے کی تیاری کرنے لگے۔ اسمیتا سوچنے لگی کہ وجے سلاسکر ہمیشہ کی طرح اس رات بھی دیر تک اپنے گھر سے دور رہیں گے پھر جیسے ہی فون کی گھنٹی بجی تو وہ چونک اٹھی۔

'اسمیتا...... تم فوراً ٹی وی کھولو۔ میں نے سنا ہے کہ دہشت گردوں سے مقابلہ آرائی میں وجے سلاسکر زخمی ہوگئے ہیں۔ ایک رشتہ دار خاتون نے روہانسی آواز میں انتہائی

تشویش سے کہا۔

یہ المناک خبر سنتے ہی اسمیتا تصدیق کے لیے ٹی وی کی جانب دوڑ پڑی۔ ''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ جھوٹ ہے۔I Can't believe'' وہ بڑبڑانے لگی۔ اسے اور نہ ہی گھر کے کسی فرد کو یقین آیا کہ وجئے سلاسکر کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ سب یہی توقع کررہے تھے کہ یہ افواہ ہوگی۔ جیسے ہی اس نے ٹی وی کھولا تو ہولناک دہشت گردانہ حملوں میں وجئے سلاسکر کے ساتھ دیگر اے ٹی ایس آفیسروں، ہیمنت کرکرے اور اشوک کامٹے کے بھی شدید گھائل ہونے کی اطلاع پیش کی جارہی تھی۔ اس پر بھی ان لوگوں کو بھروسہ نہ آیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جب تمام ٹی وی چینلوں نے وجئے سلاسکر اور ان کے ساتھی پولیس عہدیداروں کی دہشت گردوں کے ہاتھوں ہوئی خوفناک فائرنگ میں ہلاکت کا لرزہ خیز اعلان کیا تو اسمیتا سکتہ میں آ گئی۔

کاش! یہ غلط ہو۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی جب انکار کی ساری راہیں بند ہوگئیں تو اب اقرار کے سواء کوئی راستہ نہ تھا۔ وجئے سلاسکر اور اسمیتا کے پیار کی نشانی اور اکلوتی بیٹی دیویا جو بغرض تعلیم ہاسٹل میں تھی وہ اپنے شفیق باپ کی ہلاکت کے صدمہ سے نڈھال صبح پانچ بجے گھر آ کر دل گرفتہ ماں کو تسلی دیتے ہوئے یقین دہانی کرانے لگی۔

''ممی! پاپا اب نہیں رہے۔ ان کا مہربان سایہ ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے۔ یہ حقیقت ہے Mummy ! please realise the truth' یہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے ہچکیاں لینے لگیں۔۔

اسمیتا کا دل کسی طرح اس ہلاکت خیز سانحہ کو قبول کر چکا تھا۔ مگر اس کا ذہن کسی طور پر ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ اسی کشمکش میں وہ جیسے نفسیاتی مریض بن گئی تھی۔ اس کی یہ دگرگوں حالت دیکھ کر سوگوار بیٹی اپنی غمزدہ والدہ کو آنے والے ان لمحات کے لیے ذہنی طور

پر تیار کرنے لگی جب اس کے والد کی میت مکان لائی جائے گی۔ نجانے اس وقت ماں کا کیا حال ہوگا؟ وہ کیسے اپنے چہیتے شوہر کی ناگہانی موت کا غم برداشت کرے گی؟

پھر ایسا ہی ہوا جیسا کہ دیویا نے سوچا تھا۔ اس کے والد کی لاش کو دیکھتے ہی والدہ چیخ اٹھی۔

'وجے۔! تم ہمیں چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ تمہارے بغیر ہم کیسے رہیں گے؟ بولو تمہارے بعد ہمارا کیا ہوگا؟

اسمیتا ایسا دھاڑیں مارتے ہوئے رونے لگی جیسا کہ ابھی اس کا دل سینے سے باہر نکل جائے گا۔ رنج والم کا یہ درد انگیز نظارہ دیکھ کر سب سوگواروں کی آنکھیں بھر آئیں۔ سارے اعزاء اور اقرباء اسے سنبھالنے اور دلاسہ دینے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ لیکن وہ بے قابو ہوتی جارہی تھی جس کا سبب یہی تھا کہ وجے سلاسکر نے اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ ہمیشہ رحم دلی اور نرمی کا برتاؤ روا رکھا تھا اور انہیں راحت اور مسرت کا ماحول فراہم کیا۔ ان کی زندگی کے پرسکون آنگن میں دکھ کی دھوپ اور غم کے بادل نے کبھی رخ نہ کیا تھا اور نہ ہی اس سے قبل ان کے ساتھ ایسا کوئی المیہ یا حادثہ پیش آیا تھا۔ وجے سلاسکر نے کبھی ان سے حوصلہ اور ہمت پر بات نہیں کی تھی۔ جیسا کہ وہ ایک حوصلہ مند اور باہمت آفیسر تھے۔ فطری طور پر وہ بہت سنجیدہ اور نہایت خاموش طبع انسان تھے۔ جو ایمانداری، فرض شناسی اور نظم وضبط کے ساتھ سدا اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب دیویا ان سے پوچھی تھی کہ ''پاپا! آپ جیسے نرم دل آدمی کیسے کسی کا انکاؤنٹر کرسکتے ہیں؟''

بیٹی کا یہ سوال سن کر باپ نے جواب دینے کی بجائے ہنستے ہوئے اسے ٹال دیا تھا۔

وجے سلاسکر کے گذرتے ہی چند دنوں بعد اسمیتا اور دیویا کو احساس ہونے لگا کہ اب کا جینا بے حد دشوار ہے اور زندگی ادھوری ہوگئی ہے۔ ان کے دن اور رات یاسیت کی کیفیت میں بسر ہونے لگے ہیں۔ اگرچہ اسمیتا اپنے آپ کو ایسا مصروف رکھنے لگی کہ خود

کے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع نہ ملے تا کہ وہ غم واندوہ اور جان لیوا صدمہ سے محفوظ رہ سکے۔ ایک گھریلو خاتون ہونے کی حیثیت سے اسے تنہا دنیا کا سامنا کرنے میں دقت پیش آرہی ہے۔ اس امر کا اندازہ اسے خاوند کی وفات کے دوسرے روز سے ہی ہوگیا تھا۔ اسمیتا نے شہید وجئے سلاسکر کے علاوہ دیگر شہداء کی یاد میں منعقدہ کئی اجلاس میں شریک رہیں۔ وہ داعیان اجلاس کی پیش کش کو رد نہیں کرسکتی تھی۔ لیکن ان تعزیتی محافل میں شرکت کے درمیان اس کا درد دل اور زخم جگر تازہ ہوجاتا تھا اور وجئے سلاسکر کے ساتھ بیتی ہوئی یادیں لمحہ بہ لمحہ پھر سے زندہ ہونے پر سینے سے ایک ہوک سی اٹھتی تھی۔ جس پر قابو پانا مشکل ہورہا تھا۔ اس کے باوجود اگر اسے کہیں مدعو کیا جاتا تو وہ مدعوئین کو مایوس نہیں کرتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ گھر سے باہر نکلنا دشوار سہی مگر جلسہ میں شریک ہونا بھی ضروری تھا۔

اسمیتا سے اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ ان سوگوار حالات کا سامنا کیسے کررہی ہے؟

تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ اس نے ان تین نکات کو اپنا مطمعٔ نظر بنالیا ہے۔ اول یہ کہ ...... وہ اس حقیقت کو تسلیم کرچکی ہے کہ دہشت گرد حملوں کا شکار صرف وہی نہیں بلکہ اس کی طرح کئی مرد، خواتین اور بچے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے چہیتوں کو کھو دیا ہے جب سب متاثرین اس نقطہ کو قبول کر کے حالات سے سمجھوتہ کرلیے ہیں تو پھر وہ کیوں ایسا نہیں کرسکتیں۔

دوم یہ کہ ...... اس کی بیٹی نوجوانی میں اپنے مشفق باپ سے محرومی کے بعد اسے مشکلات سے مقابلہ کے لیے تعاون کرتے ہوئے معمول کی زندگی گذارنے میں مدد کررہی ہے جو کہ حوصلہ افزاء قدم ہے۔ حالانکہ اسے بھی تسلی اور ہمدردی کی سخت ضرورت ہے پھر کیوں نہ وہ ماں کی حیثیت سے اس کی مدد اور ہمت بندھائے۔

اور سوم ...... جو کسی کرشمہ سے کم نہیں، وہ ممبئی کی عوام ہیں جنہوں نے اپنی بے پناہ محبت اور ہمت کے ذریعہ اسے کبھی اکیلی ہونے کا احساس نہیں دلایا اور وہ احباب واقارب

جو اکثر اسے فون پر یا پھر ملاقات کر کے اس کی خیریت دریافت کرتے رہتے ہیں!

فی الحال اسمیتا نے اپنے آئندہ لائحہ عمل کے متعلق فیصلہ نہیں کیا ہے کہ آیا اسے خود کو مشغول رکھنے کے لیے کچھ کرنا چاہئے یا نہیں۔ وہ قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ وجئے سلاسکر کے داغ مفارقت سے سنبھلنے کے لیے اسے مزید کئی مہینے درکار ہوں گے۔ تب کہیں وہ معمول کے مطابق زندگی گذار سکے گی۔۔

دیویا پہلے کی طرح اپنی تعلیمی سرگرمی میں مصروف ہونے لگی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ ذہنی طور پر تیار ہو کر ایم بی اے کی تکمیل کر رہی تھی اسے اپنے شہید پاپا کی خواہش جو پوری کرنی تھی۔ وجئے سلاسکر کو بعد از مرگ ان کی نمایاں کارکردگی اور دہشت گردی سے نمٹنے کے دوران اپنی جان نچھاور کرنے پر حکومت کا باوقار اعزاز 'اشوک چکر' سے سرفراز کیے جانے پر اسمیتا کو ایک طرف بھرپور فخر محسوس ہوا تھا تو دوسری طرف ان کی ناگہانی رحلت سے اسے شدید صدمہ بھی پہنچا تھا۔

اسمیتا شہریان ممبئی کے اس بے لوث جذبہ ہم آہنگی کو دیکھ کر بہت خوش تھی جو انہوں نے وجئے سلاسکر کو 'اشوک چکرا' حاصل ہونے پر بطور خراج عقیدت ہر چار قدم پر ان کے پوٹریٹ ایستادہ کیے تھے۔ جن میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور سبھی فرقے کے برادران وطن شامل تھے۔ ایک شہید وطن اور ایک ایسے اعلیٰ پولیس عہدیدار جنہوں نے کئی خطرناک مجرموں کا خاتمہ تو کیا ہی تھا۔ پھر خوفناک دہشت گرد حملہ آوروں سے مقابلہ کرتے ہوئے جاں بحق ہو گئے تھے۔ ایسے قابل فخر شوہر کی بیوہ کا شرف حاصل ہونا اسمیتا سلاسکر کے لیے باعث افتخار ہے۔۔

○☆○

درد بھری آہیں

مہلوک اشوک کامٹے (اے سی پی) کی بیوہ اپنے چہیتے خاوند اور شہید وطن کو ایک پل بھی یاد کرے بغیر نہیں رہتی۔ ان کی جدائی نے اسے اتنا گہرا صدمہ پہنچایا ہے کہ جب بھی ان کے بارے میں وہ کچھ کہنا چاہتی ہے تو دل درد سے تڑپ اٹھتا ہے اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب ہو جاتی ہیں۔ پھر اس دھندلاہٹ میں اسے اپنے دلیر شوہر کی شبیہہ کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جو چھبیس نومبر کو ممبئی شہر میں ہوئے خطرناک دہشت گردانہ حملوں سے نمٹتے ہوئے میٹرو سنیما کے پاس اپنے ساتھی عہدیدار وجے سلاسکر کے ہمراہ مہلک دہشت گردوں کے ہاتھوں ہوئی ہلاکت انگیز فائرنگ کا نشانہ بن گئے تھے۔ مادر وطن کے لیے دی گئی ان کی قربانی قوم کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ ان کا ایک ایک قطرۂ خون خوفناک دہشت گردوں کی ہلاکت خیز کارستانی کی داستان الم سناتا رہے گا۔ ملک کے سارے عوام کی تمام تر مہربانیاں اور ہمدردیاں ان کی غمزدہ بیوہ کے ساتھ ہیں۔

اشوک کامٹے سال 1989ء کے بیاچ کے آئی پی ایس آفیسر تھے۔ فی الحال وہ ممبئی

شہر کے اسسٹنٹ کمشنر آف پولیس (اے سی پی) کے عہدے پر فائز تھے۔ سابق میں بحیثیت 'کمشنر' شولا پور خدمات انجام دے چکے کامٹے، اپنی شاندار کارکردگی کا منفرد ریکارڈ رکھتے تھے۔ جرائم کی روک تھام اور قانون کے قیام کو اپنا اولین فرض سمجھنے والے کمشنر، جب کبھی نقض امن اور تشدد کا اندیشہ ہوتا تو وہ ایک ذمہ دار آفیسر کی حیثیت سے خود آگے بڑھ کر بگڑے ہوئے حالات کا سامنا کرتے تھے۔ دہشت گردانہ حملوں کے وقت بھی انہوں نے ایسی ہی ذمہ داری نبھاتے ہوئے شہادت پائی تھی۔

ونیتا کامٹے ایڈوکیٹ اپنے مہلوک شوہر کی فرقت کس طرح برداشت کرتے ہوئے اذیت ناک ایام گذار رہی ہیں۔ اس کا اندازہ صرف اس کا غمگین دل ہی بہتر جانتا ہے۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ برسوں سے اس المیہ کو جھیل رہی ہو۔ حالاں کہ اشوک کامٹے کو کھوئے ہوئے اسے کچھ ہی عرصہ ہوا ہے اور اس کے آگے ابھی تنہا زندگی کا طویل سفر باقی ہے۔ جب بھی وہ جدائی سے دل شکستہ اور زندگی سے رنجیدہ ہوجاتی ہے تو بے اختیار آنسو اس کی آنکھوں سے رواں ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ خود پر قابو پانے کا حوصلہ نہیں رکھتیں۔ اسی خوف کے سبب وہ اپنے شوہر کے تعلق سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہی ہے۔تنہائی کی یہ گھڑیاں ونیتا کے لیے بڑی ہی آزمائش اور صبر آزما ثابت ہو رہی ہیں۔

اس اندوہناک سانحہ کی سیاہ رات کے بعد سے ونیتا نے کسی سے بھی پوشیدہ یا کھلے طور پر بات نہیں کی ہے۔ ہر لمحہ اس جان لیوا صدمے کے بوجھ تلے آہیں اور سسکیاں لیتی رہتی ہیں یا پھر ماضی کی خوشگوار یادوں میں کھو کر اشک بہانے لگتی ہیں۔ کبھی وہ تصویر غم بن کر ماتم کناں ہوجاتی ہیں تو گاہے ایک شہید وطن کی بیوہ ہونے پر فخر بھی محسوس کرتی ہوئی اس تصور سے خاموش ہوجاتی ہیں کہ کہیں اس کی آہ وزاری اور اور نالۂ نیم شبی سے اشوک کامٹے کی روح کو تکلیف نہ پہنچے وہ نہیں چاہتی کہ انہیں دوسری دنیا میں کوئی تکلیف ہو۔ ان

کی روح سدا سکھی رہی یہی اس کے لیے سب سے بڑی خوشی اور مقصد حیات ہے۔

'اشوک کامٹے کو بھلانا اور ان کے غم کو فراموش کرنا میرے لیے اتنا آسان نہیں ہے اور وہ جلد میرے دل سے رخصت ہو جائیں گے ایسا ممکن نہیں ہے۔ وہ تو ہمیشہ میرے دل کے نہاں خانے میں موجود رہیں گے۔ ان کی چاہتوں کے جلتے چراغ میری سیاہ راتوں کو اجالا کرتے رہیں گے اور ان کی یادوں کے دیئے میری تنہا زندگی کی تاریک راہوں کو منور کرتے رہیں گے۔ مجھے ابھی بھی ایسا احساس ہوتا ہے کہ جیسے میں ان سے باتیں کرتے ہوئے ساتھ ساتھ رہ رہی ہوں۔

صبح کو یوں ، شام شب کو یوں ، بسر میں نے کیا
تیرا جلوہ ہر طرف تھا رخ جدھر میں نے کیا

میرے متعلق یہ کہنا کہ میں اس جان لیوا صدمہ سے سنبھل کر معمول کی زندگی گذارنے کے قابل ہوگئی ہوں قبل از وقت ہوگا۔ میرے حالات بحال ہونے کے لیے مزید انتظار اور صبر کی ضرورت ہے۔ ایک شہید وطن کی بیوہ کو کیا کیا ذمہ داریاں نبھانی ہیں اسے میں خوب جانتی ہوں اور میں اب تک ان میں سے کچھ ادا بھی کر چکی ہوں۔ ونیتا کامٹے نے بھیگی ہوئی آنکھیں اور بھرائی ہوئی آواز میں اپنے درد انگیز حالات سناتے ہوئے کہا۔

اشوک کامٹے کی شخصیت اور شجاعت کے بارے میں ونیتا کامٹے سب پر یہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ وہ ایک بہادر پولیس آفیسر تھے۔ انہوں نے ساری زندگی اپنے مفوضہ ذمہ داریوں اور فرائض کو ایک عبادت کی طرح اصولی اور اخلاقی طور پر پورا کیا تھا۔ بالآخر اپنی قیمتی جان ملک کے سب سے بڑے اور سنگین دہشت گردانہ حملوں سے نمٹتے ہوئے بڑی ہی جواں مردی کے ساتھ قربان کردی تھی۔ انہوں نے اپنی دیرینہ ملازمت کے دوران کئی

کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ یہی جذبہ انہوں نے قوم کی حفاظت کے لیے حملہ آوروں سے مقابلہ کے وقت دکھاتے ہوئے شہید ہوگئے تھے۔ اس صلہ کا ثبوت اور اعتراف ملک کا اعلیٰ ترین اعزاز 'اشوک چکرا' ہے۔

اگر کوئی شہید وطن اشوک کامٹے کو تہہ دل سے خراج عقیدت پیش نہیں کرتا اور ان کی قربانی کو قبول نہیں کرتا تو یہ انکی بھول ہے میں اسے کبھی قبول نہیں کروں گی اور بڑی شدومد کے ساتھ اس کی مخالفت کروں گی۔ ایسی اطلاعات سن کر مجھے سخت دکھ پہنچتا ہے۔ خصوصاً ایک بیوہ کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کا رنج وغم شدید سے شدید تر ہوجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میرے شوہر ایسے ہی نہیں مرے بلکہ وہ میدان کارزار میں ایک سپاہی کی طرح شہید ہوئے ہیں اور شہید کبھی مرتے نہیں بلکہ امر ہوجاتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ "Martyr Can't die" ونیتا کامٹے اپنے شوہر کی بھرپور وکالت کرتے ہوئے معترضین کو دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہنے لگیں۔

حیات شورش طوفاں کو یاد رکھتی ہے
زمین خون شہیداں کو یاد رکھتی ہے

○☆○

سکون جو چھن گیا

اسسٹنٹ سب انسپکٹر آف پولیس تکارام اومبلے نے دہشت گردانہ حملوں کے دوران اپنی جان پر کھیل کر مرتے دم جس خوں خوار اور مہلک دہشت گرد کو زندہ پکڑا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ اجمل امیر قصاب ہی تھا۔ جو ان دنوں سزائے موت کی گھڑیاں گن رہا ہے۔ اومبلے نے اپنی آخری سانس تک اس امر کو یقینی بنایا تھا کہ وہ کسی طرح فرار یا ہلاک نہ ہونے پائے۔ تاکہ اسے ان قیامت خیز حملوں کے ثبوت اور گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کیا جاسکے۔ اور انہوں نے فرض کی ادائیگی میں اپنی زندگی کی قربانی دے کر اس کوشش میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ جب کہ اس کا ساتھی ابواسمعیل انکاونٹر میں ہلاک ہوگیا تھا۔ ان کے قبضے سے بڑی تعداد میں اسلحہ اور غیر مستعملہ گولہ بارود کو ضبط کر کے ناکارہ بنادیا گیا تھا۔

انسپکٹر اومبلے کی فرض شناسی، مستعدی اور قربانی کے سبب یہ دو دہشت گرد فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوسکے اور نہ ہی ان کا ناپاک منصوبہ پورا ہوسکا جو کہ بے شمار شہریوں کو ہلاک

وزخمی کر کے بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی مچانے کا تھا۔ بھاری اور عصری اسلحہ AK47 رائفلوں، 36mm پستولوں اور دستی بموں سے لیس دونوں حملہ آور تنہا، معصوم اور نہتے افراد کے علاوہ بے خبر، بے قصور اور بے گناہ کثیر مجمع کو ہلاکت کا نشانہ بنا رہے تھے تا کہ زیادہ سے زیادہ جانی نقصانات کے ساتھ عوام میں خوف و ہراس کا ماحول تیزی سے پیدا ہو جائے۔

دونوں دہشت گردوں نے اپنی ہلاکت انگیز کارروائی کا آغاز چھتر پتی شیواجی ریلوے ٹرمینس سے کیا تھا۔ اس کے بعد جی ٹی ہاسپٹل، کاما ہاسپٹل اور میٹرو سنیما کے علاقوں میں ہلاکتیں انجام دیتے ہوئے دہشت اور سنسنی پھیلا دی تھی۔ ان ہلاکت خیز وارداتوں سے نمٹتے ہوئے کاما ہاسپٹل کے پاس اعلیٰ پولیس افسر ہیمنت کرکرے اور میٹرو سنیما کے قریب دو بلند مرتبے کے حامل پولیس عہدیدار وجے سلاسکر اور اشوک کامٹے اور دیگر پولیس اہلکار ملک وقوم کی حفاظت کے لیے شہید ہو گئے تھے۔ اس اثنا میں ان حملہ آور قاتلوں نے یہاں سے جیپسی گاڑی کا اغوا کر کے اس میں گھومتے ہوئے لوگوں پر راست فائرنگ کرنے لگے تھے۔ ہولناک حملوں کے بعد ان کا مسلسل تعاقب کر رہی پولیس جمعیت نے انہیں گرگام چوپاٹی کے مقام پر گھیر لیا تھا۔ جو بڑی ہی عیاری سے پولیس کے ساتھ موت کا کھیل کھیل رہے تھے۔

جاں باز اوملے کا، کارنامۂ شجاعت یہی تھا کہ انہوں نے اجمل قصاب جو AK47 رائفل اور گولہ بارود سے مسلح تھا۔ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گرگام چوپاٹی پر دوبدو مقابلہ کیا تھا۔ اس کے جواب میں وہ بھی ان پر جھپٹ پڑا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کی شہادت ہوگئی تھی اور قصاب ہاتھ میں گولیاں پیوست ہونے کے باعث شدید زخمی ہو گیا تھا۔ تب ہی اس کی گرفتاری ممکن ہو سکی تھی۔ جو دس دہشت گرد اپنے خونیں مشن پر ہندوستان آئے تھے۔ ان میں سے ایک تو زندہ جکڑ لیا گیا تھا۔ اس جاں بازی اور دلیری کی بناء پر اوملے

کو ہیرو کا درجہ دیا گیا تھا۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے کہ زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

'حملوں کی رات جب میں نے اپنے والد کو فون کیا تو انہوں نے ہمیں تسلی بخش جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ' میں خیریت سے ہوں اور تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے'۔ اومبلے کی تئیس سالہ بیٹی ویشالی، متعلم ایم ایڈ نے سوگوارانہ انداز میں بتایا۔

انسپکٹر اومبلے کو بہادری اور جاں نثاری کے عوض بعد از مرگ 'اشوک چکرا' اعزاز سے نوازا گیا۔ اور ان کی یاد میں گرگام چوپاٹی سڑک کو' تکارام اومبلے روڈ' سے موسوم کیا گیا۔ تاکہ انہیں بھرپور خراج عقیدت پیش کیا جاسکے۔ ان کے ارکان خاندان کی بس یہی خواہش ہے کہ وہ جلد سے جلد اجمل قصاب کو پھانسی کے تختہ دار پر دیکھیں۔

اجمل قصاب کو ہم کبھی معاف نہیں کریں گے۔ جس نے ہماری زندگی بدل کر رکھ دی ہے۔ اگرچہ میرے والد زندہ نہیں ہیں لیکن ہمیں ہر وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ میرے والد کو اب میں دوبارہ حاصل نہیں کرسکتی۔ ہماری زندگی کا جو چین وسکون غارت ہو چکا ہے وہ واپس نہیں لایا جاسکتا۔ فی الحال ہمارے لیے باعث سکون صرف ایک ہی بات ہوسکتی ہے۔ اور وہ ہے اجمل قصاب کی پھانسی۔ اس کے سوا ہمیں کوئی اور چیز خوش نہیں کرسکتی۔ جس طرح افضل گرو کو دی گئی پھانسی کی سزا بار بار ملتوی ہورہی ہے ایسا اجمل قصاب کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔ غمزدہ ویشالی نے دل گرفتہ جذبات سے مغلوب لہجہ میں اپنے الفاظ پر کسی قدر زور دیتے ہوئے کہا۔

بے گناہ شہریوں کی جان بچانے کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے والے بجا طور پر

احترام واکرام کے حق دار، اعزازات کے مستحق اور قابل عزت ہوتے ہیں۔ایسے دیانت دار، فرض شناس اور مستعد پولیس عہدیداروں واہل کاروں کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے انہوں نے اپنے مفوضہ فرض بخوبی نبھاتے ہوئے اپنے ہم منصب ملازمین میں فرض کا مثبت اور تعمیری جذبہ بھی اجاگر کیا ہے اور ان میں ملک اور قوم کی حفاظت کا احساس بھی جگایا ہے۔ساتھ ہی دہشت گردی سے نمٹنے میں اہم کردار نبھانے کی راہ ہموار کی ہے۔جسے ملک وقوم کے تحفظ کی خاطر جاری رکھنے کی از حد ضرورت ہے۔۔

○☆○
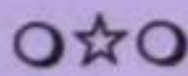
قابلِ فخر لختِ جگر

نیشنل سیکوریٹی گارڈ (قومی محافظ دستہ) جسے ملک میں خصوصاً دہشت گردانہ حملوں اور سبوتاج کارروائیوں سے نمٹنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس نے ممبئی میں ہوئے ہلاکت انگیز حملوں کے تیسرے دن دو علحدہ آپریشنس کے درمیان اپنے جن دو جیالے سپاہیوں کو کھودیا تھا۔ ان میں میجر سندیپ اُنّی کرشنن اور حولدار گجیندرا سنگھ شامل تھے۔ انہوں نے بالترتیب ہوٹل تاج اور نریمان ہاوس میں دہشت گردوں کا جاں بازی سے مقابلہ کرتے ہوئے ملک وقوم کے لیے اپنی انمول جانیں فدا کردی تھیں۔

تیس سالہ میجر سندیپ اُنّی کرشنن کو 51 ویں آرمی فورس کے اسپیشل آپریشنس گروپ سے تبادلہ کر کے نیشنل سیکوریٹی گارڈ (NSG) میں آفیسر کی حیثیت سے تعینات کیا گیا تھا۔ انہوں نے ہوٹل تاج میں حملہ آوروں سے مقابلہ آرائی کے دوران بہادری کا شاندار اور غیر معمولی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی زندگی کو ساتھی سپاہیوں کی زندگیوں پر ترجیح دے کر ان کو بچاتے ہوئے خود قربان ہوگئے تھے۔

میجر سندیپ کی ولادت 17 مارچ 1977 کو مدراس میں ہوئی تھی۔ انہوں نے بنگلور منتقل ہونے کے بعد 'فرینک انتھونی پبلک اسکول' میں تعلیم پائی اور 'نیشنل ڈیفنس اکیڈمی' سے کامیابی حاصل کر کے 1999 میں بہار رجمنٹ کی ساتویں بٹالین سے وابستہ ہو گئے تھے۔ پھر انہیں جنوری 2007 میں قومی محافظ دستہ (NSG) میں متعین کیا گیا تھا۔

اس دلیر فوجی نوجوان کو ہوٹل تاج میں آپریشن کے لیے چن لیا گیا تھا۔ جہاں وہ پوری جواں مردی اور کامرانی کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے بھاری گولی باری کے دوران بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ لیکن انہوں نے سخت زخمی حالت میں بھی اپنے ساتھی سپاہیوں کو محفوظ جگہ پر پہنچاتے ہوئے آپریشن جاری رکھ کر حملہ آوروں کا دائرہ تنگ کر دیا تھا اور شدید گھائل ہونے کے باوجود انہوں نے لگاتار ہو رہی فائرنگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فوجی ساتھیوں کو دوبارہ اپنی مدد کا پیشکش کر کے اپنے مفوضہ فرض کو جان کی بازی لگا کر نبھایا تھا۔ انہوں نے قومی ایثار اور جذبہ قربانی کی جو اعلیٰ اور روشن مثال قائم کی ہے وہ ہر ہندوستانی کے دل میں ہمیشہ قائم رہے گی۔

سخت مجروح ہونے پر بھی میجر نے میدان کارزار سے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بلکہ پوری طاقت سے دشمن کا دوبدو مقابلہ کیا اور آخری وقت تک اپنے ساتھیوں کو مقابلہ کے لیے ڈٹے رہنے کی تاکید کی۔ پھر خود کو محفوظ ظاہر کرتے ہوئے انہیں پریشان ہونے نہ دیا۔ 'تم اوپر نہ آنا۔ میں خود ان سے نمٹ لوں گا'۔ میجر سندیپ کے آخری الفاظ تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بچانے کے لیے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ جس سے وہ حملہ آوروں کے حملہ کا شکار نہ ہو سکے اور الٹا وہ حملہ آوروں پر بھرپور وار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایک فوجی آفیسر نے انتہائی فخریہ انداز میں کہا۔۔

جیسے ہی میجر سندیپ کی ہوٹل تاج میں دہشت گردوں سے محاذ آرائی میں شہادت کی

خبر عام ہوئی تو غمزدہ عوام کا کثیر اژدھام ان کے دیدار اور والدین کو پرسہ دینے کے لیے ان کی رہائش گاہ پہنچ کر بار بار 'میجر سندیپ امر ہے' کا فلک شگاف نعرہ لگانے لگا اور یہ سلسلہ ان کی آخری رسومات ادا ہونے تک برقرار تھا۔ جب جمعہ کی رات دیر گئے ان کی میت ممبئی سے بنگلور لائی گئی تو ان کی والدہ دھنا لکشمی اچانک اپنے اکلوتے بیٹے سے محروم ہو جانے پر سکتہ میں آگئیں اور اپنے گھر کے اطراف لوگوں کے ہجوم اور شور وغل سے سہم گئی تھیں۔ وہ صرف اپنے لخت جگر کی میت کو شمشان گھاٹ لے جاتے وقت اس کے آخری دیدار کے لیے ہفتہ کو باہر نکل سکی تھیں۔

'وہ پہلے ہندوستانی اور بعد میں ہندو، مسلم اور عیسائی تھا'۔ ان کے والد، کے انی کرشنن نے حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے جذبات سے سرشار ہو کر کہنے لگے۔

قومی پرچم میں لپٹا ہوا میجر سندیپ کا جسد خاکی ٹرک کے ذریعہ ان کی قیام گاہ سے ایک کیلومیٹر دور ابدی آرام گاہ 'ہیبال' (Hebbal) پہنچا تھا۔ جب فوجی جوانوں نے انہیں پورے قومی اعزاز کے ساتھ خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے سلامی دے کر فضا میں گولیاں داغنے لگے تو عوام نے 'بھارت ماتا کی جے' اور 'سندیپ بھائی زندہ باد' کے نعرے لگائے۔ ریاستی حکومت کرناٹک کی طرف سے بھی پولیس کے علاوہ وزیر اعلی اور دیگر سرکردہ قائدین نے انہیں بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر مدارس کے طلباء بھی جلوس جنازہ میں شریک ہو کر بہادر سپاہی میجر سندیپ کو گلہائے عقیدت کا نذرانہ گذرانتے ہوئے بدیدہ نم انہیں وداع کیا۔۔

کر چلے جان و تن ہم فدا ساتھیو
اب تمہارے حوالے وطن ساتھیو

○☆○

بے مثال کارنامہ

جنوبی ممبئی کے رہائشی علاقہ میں واقع 'نریمان ہاوز' کی چھ منزلہ عمارت پر دو مسلح حملہ آوروں نے چہارشنبہ کی رات قبضہ کرلیا تھا۔ پولیس، ریاپڈ ایکشن فورس اور فوج نے اس عمارت کی جانب جانے والے تمام راستوں اور گلیوں کو مسدود کردیا تھا۔ چوراہوں پر ریت کے تھیلے رکھ دیئے تھے اور اطراف کے مکانات کا تخلیہ کرادیا گیا تھا۔ گنجان آبادی اور عمارتوں کے بیچ بہت کم فاصلہ رکھنے والے اس علاقہ کی عمارت میں گھس آئے دہشت گردوں نے پہلے ایک گرینیڈ بم پھینک کر یہاں کے مکینوں میں دہشت پھیلا دی تھی۔ سیکوریٹی فورسیس نے چوکسی اختیار کرتے ہوئے حملہ آوروں کی ہلاکت اور یرغمالیوں کی حفاظت کی حکمت عملی اپنائی۔ اس شب نریمان ہاوز میں تین دستی بم دھماکوں اور ایک راونڈ فائرنگ کی آوازیں سنی گئیں۔

اس یہودی رہائشی کامپلکس سے دہشت گردوں کے صفائے کے لیے انتہائی اعلیٰ تربیت یافتہ نیشنل سیکوریٹی گارڈ (NSG) کے بیس شیر دل کمانڈوز نے ڈرامائی کارروائی

کرتے ہوئے فضائیہ کے ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعہ اس کی زیریں منزلوں پر فائرنگ کی تاکہ کمانڈوز کو اترنے میں آسانی ہو۔ اس کے ساتھ وہ رسی کے ذریعہ چھٹی منزل کی چھت پر اترے۔ علاوہ ازیں انہوں نے نریمان ہاوز کے پیچھے ایک سات منزلہ عمارت کی چھت پر بھی مورچے سنبھال لیے تھے۔ جمعہ کی صبح آٹھ بجے سے شروع ہوئی اس کارروائی کو 'آپریشن بلیک ٹورنیڈو' کا نام دیا گیا تھا۔۔

کمانڈوز کی آمد کے ساتھ ہی خون ریز جھڑپ اور گھمسان لڑائی چھڑ گئی اور وقفہ وقفہ سے دہشت گردوں کے ساتھ فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس عمارت کی دو منزلوں سے خطرات دور کرنے کے بعد کمانڈوز فورسیس کو چھپے ہوئے دہشت گردوں سے تازہ اور شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان روپوش حملہ آور عناصر کو چوتھی منزل تک دھکیلنے کے لیے چار گھنٹوں تک مسلسل لڑائی کرنی پڑی۔ اس آپریشن کے دوران قومی محافظ دستے (NSG) کے بہادر سپاہی حولدار گجیندرا سنگھ (Hawaldar Gajindra Singh) نے جو یرغمالیوں کے تحفظ اور دہشت گردوں کے خاتمے کے لیے بے مثال مظاہرہ کیا تھا وہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ایسی دم بخود کر دینے والی کارروائی پر قوم نے پر جوش انداز میں انہیں شاباشی دیتے ہوئے خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

حولدار گجیندرا سنگھ کو نریمان ہاوز کی پانچویں منزل میں چھپے ہوئے دہشت گردوں کے صفائے کی ذمہ داری پر مامور کیا گیا تھا جسے انہوں نے اپنی آخری سانس تک انتہائی ماہرانہ انداز میں بڑی ہی مستعدی سے پوری کی تھی۔ انہوں نے اپنے فرائض کی تکمیل کے بعد نیچے اترتے وقت کسی قسم کی غلطی نہیں کی۔ وہ دشمن کی چالاکی کو بہتر طریقے سے جانتے تھے۔ لیکن جب مقابلہ آرائی قریب سے قریب تر ہوگئی تو وہ دہشت گردوں کے صفائے کے لیے نہایت چوکسی کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے اور سخت مزاحمت کے درمیان وہ گولیوں کا نشانہ

بن کر شدید زخمی ہونے کے باوجود اپنا مشن جاری رکھا تھا۔ پھر اسی گھمبیر گھائل حالت میں وہ ہم سے رخصت ہو گئے۔ نیشنل سیکوریٹی گارڈ کے ایک اعلی عہدیدار نے کہا۔

پانچ یرغمالیوں کو جانی نقصان نہ پہنچنے کی خاطر کمانڈوز نے کافی محتاط طور پر اپنی کارروائی انجام دی تھی۔ جس وقت دہشت گردوں نے دوسری منزل پر تین یرغمالیوں کو اپنی گولیوں کا شکار بنا کر بالائی منزل کی سمت بڑھ رہے تھے تو تب کمانڈوز نے سیڑھی کی مدد سے چوتھی منزل پر پہنچ کر ان کا پیچھا کیا مگر جب تک انہوں نے اس اثناء میں باقی دو یرغمالیوں کو بھی شہید کر دیا تھا۔ جوابی اقدام اٹھاتے ہوئے کمانڈوز نے انہیں موت کے گھاٹ اتار کر پانچویں اور چھٹی منزل تک رسائی حاصل کر لی۔ اس طرح خطرناک دہشت گردوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے بعد سارے نریمان ہاوز سے قبضہ بحال ہو گیا تھا۔۔

جب این ایس جی کمانڈوز آپریشن کی تکمیل کے بعد نریمان ہاوز سے باہر آئے تو مقامی ممبئی واسیوں نے ان کا شاندار والہانہ استقبال کیا اور زور دار تالیوں سے ان کی ستائش کرتے ہوئے 'بھارت ماتا' کی جئے کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ آس پاس کی عمارتوں پر بھی عوام کی کثیر تعداد نے کمانڈوز کے بہادر کارنامے پر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور کمانڈوز بھی اپنے مشن کی کامیابی پر مسرور تھے۔ اپنی مہم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے نریمان ہاوز کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

جمعہ کی رات دیر گئے جب مہلوک یرغمالیوں کی لاشیں اٹھائی جانے لگیں تو دھماکے ہوئے جو دہشت گردوں کی کارستانی تھی جنہوں نے لاشوں کے نیچے ڈیٹونیٹرس کو پوشیدہ رکھ دیا تھا۔ جسے ناکارہ بنا دینے پر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ قومی محافظ دستے کے ایک آفیسر نے انکشاف کیا۔۔

○☆○

جئے ہو

ملک کے تجارتی اور کاروباری شہر ممبئی میں ہوئے دہشت گردانہ حملوں نے ملک کے تمام شہریوں کو ہی نہیں بلکہ بیرونِ ممالک میں رہائش پذیر بھی ہندوستانیوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس بد بخت سانحہ سے ان کا متاثر ہونا لازمی امر تھا۔ دوبئی میں مقیم دسویں جماعت کے طالب علم عبدالرحمٰن کا معصوم دل بھی اس المیہ سے بے اختیار دھڑکنے لگا تھا۔ یہ بدترین واقعہ اس نونہال کی کتابِ زندگی کا ایک ناقابلِ فراموش سیاہ باب بن کر اس کے سطحِ ذہن پر سدا کے لئے نقش ہو گیا تھا۔

عبدالرحمٰن فی الحال اپنے پیدائشی مقام 'ممبئی' میں موجود نہیں تھا۔ لیکن اپنے پیارے وطن ہندوستان اور اپنے چہیتے ہم وطنوں کے تحفظ و سلامتی کے لئے بے حد پریشان تھا۔ اس کی دلی کیفیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ پتہ نہیں وہ کیسے اور کس حال میں ہوں گے؟ وہ بے چین ہو کر سوچنے لگا۔ اسے امید تھی کہ اس کے تمام احباب و اقارب اور عزیز دوست سب سلامت ہوں گے۔ کمسن عبدالرحمٰن، اللہ پاک کی بارگاہِ اقدس میں صدق دل

سے سجدہ ریز ہو کر دعا گو تھا کہ وہ مادرِ ہند کو آئندہ کسی بھی دہشت گردانہ حملوں سے محفوظ رکھے اور تمام برادرانِ ہند کو امن و سکون عطا فرماتے ہوئے سب کو آپس میں اتحاد اور اتفاق سے رہنے کی توفیق نصیب کرے۔ آمین۔

ملک کی معیشت کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھنے والے مرکزی شہر میں جس قیامت انگیز انداز میں ملک و قوم دشمن طاقتوں کے آلۂ کاروں نے ہلاکت خیز حملہ کیا تھا۔ اس کی عالمی سطح پر سخت لعنت و مذمت کی گئی تھی۔ عبدالرحمٰن کو ان خون ریز حملوں کے بعد تشویش لاحق ہوگئی تھی۔ ایسے دھماکہ خیز لمحات اور صبر آزما حالات میں اہلِ وطن کے ساتھ شخصی طور پر نہ رہنے کا اسے بہت افسوس ہو رہا تھا۔ مگر اس کی دلی دعائیں اور ساری ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں اور وہ لمحہ بہ لمحہ انہیں یاد کرتے ہوئے بڑا مضطرب اور صمیم قلب سے سارے مہلوکین کے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کے ساتھ زخمیوں کی جلد صحت یابی کا متمنی تھا۔

ٹیلی ویژن پر ہوٹل تاج کی سلگتی اور شعلہ اگلتی ہوئی تصویر، نریمان ہاؤز، اوبرائے ہوٹل یہودی سنٹر، لیوپولڈ کیفے، موٹر کاروں اور دیگر مقامات پر ہوئے بم دھماکوں، گرینیڈ حملوں اور فائرنگ کے دہشت انگیز نظارے دیکھ کر عبدالرحمٰن انتہائی رنجیدہ ہو گیا تھا۔ اپنے محبوب شہر ممبئی میں ہلاکت و غارت گری کے مناظر سے وہ کافی سنجیدہ تھا۔ اس دکھ بھرے وقت پر دوبئی میں اس کا نہ کوئی شریک تھا اور نہ ہی دلاسہ دینے والا۔ اس کے ماں باپ بھی وہاں نہیں تھے وہ ممبئی میں اس کی آنٹی کی طبیعت بگڑ جانے پر مزاج پرسی کے لئے گئے ہوئے تھے وہ اکیلا ہی چپکے چپکے آنسو بہاتے ہوئے رات بھر حفاظتی جوانوں اور دہشت گردوں کے درمیان وقفہ وقفہ سے جاری فائرنگ دیکھ کر ہر پل دعا کر رہا تھا کہ چھپے ہوئے بزدل حملہ آوروں کا جلد خاتمہ ہو جائے اور جیالے سپاہی ہوٹل تاج، نریمان ہاؤز اور اوبرائے ہوٹل سے فتح کا نشان ''V'' بناتے ہوئے فوری باہر آئیں۔۔

عبدالرحمٰن شب بھر بیدار رہنے کے باوجود صبح معمول کے مطابق اسکول جانے سے قبل ٹی وی کی اہم سرخیوں پر نظر ڈالنے لگا۔ اسے یہ جان کر شدید ملال ہوا کہ دہشت گرد اب بھی ان عمارتوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ وہ برہمی اور مایوسی کے عالم میں ٹی وی بند کردیا۔ اس اثناء میں ممبئی سے اس کے والد کا فون آیا۔

اسلام علیکم۔ بیٹے عبدالرحمٰن! تم کیسے ہو؟ ہم سب اللہ کے فضل سے بخیریت ہیں وہ کہنے لگے۔

وعلیکم السلام۔ ابو! الحمدللہ۔ اس اطلاع سے مجھے بہت سکون حاصل ہوا ہے۔ ورنہ میں نہایت پریشان تھا۔ اس نے بظاہر اطمینان اور خوشی سے جواب دیا۔ لیکن اندرونی طور پر عبدالرحمٰن الجھن کا شکار تھا۔ وہ بے قصور لوگوں کو بڑی درندگی سے موت کے گھاٹ اتار دیئے جانے پر سخت برہم و مغموم تھا۔

جب عبدالرحمٰن اسکول پہنچا تو اسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس کے ہم جماعت جو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے انہیں کیسے ممبئی کے موجودہ حالات سے واقفیت حاصل ہوئی؟ اور وہ طلباء جنہوں نے کبھی ممبئی کا نام سنا تھا اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ ممبئی شہر انڈیا میں ہے۔ وہ بھی حملوں کے متعلق اس سے دریافت کررہے تھے۔

آخر کیوں ممبئی میں دہشت گردانہ حملہ ہوا ہے؟ اور کیوں بے گناہ انسانوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔؟

دہشت گردوں کے ارادے کیا ہیں؟ انہوں نے کیوں لوگوں کو یرغمال بنا رکھا ہے؟

یہ حملہ آور کون ہیں؟ اور کس ملک کے شہری ہیں؟

آیا وہ سب غیر ملکی ہیں تو پھر کن کن ممالک سے ان کا تعلق ہے۔

کیا ان حملوں کا مقصد انڈیا میں افراتفری پیدا کرنا اور معیشت کو متاثر کرنا تو نہیں ہے؟

ان کے سوالات سن کر عبدالرحمٰن تھوڑا سا بوکھلا گیا۔ اس کے پاس کوئی معقول جواب

نہیں تھا۔ لیکن اسے تسلی ہوئی کہ غیر ملکی طلباء ہندوستانی عوام کے تیئں برادرانہ تعلقات اور ہمدردانہ جذبات رکھتے ہیں ۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی ہندوستانی طالب علم بھی انہیں اطمینان بخش جواب دینے سے قاصر تھا۔ پھر کچھ دیر بعد عبدالرحمٰن نے خود اپنی معلومات کے مطابق انہیں یہ بتاتے ہوئے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ۔

انڈیا کئی سالوں سے دہشت گردی کا نشانہ بنتا آرہا ہے۔ اور حکومت برابر اس کا مقابلہ کرتی آرہی ہے۔ سخت چوکسی اور معقول حفاظتی انتظامات کے باوجود دہشت گرد کہیں نہ کہیں دہشت گردانہ حملہ کر ہی بیٹھتے ہیں۔ ان پر قابو پانے کے لئے بھرپور انتظامات کئے جارہے ہیں ۔ اور جلد ہی دہشت گردی کے نیٹ ورک کو تہس نہس کر کے سازش رچنے والوں کے خلاف عبرت ناک سزائیں دی جائیں گی ۔ حالیہ حملے انتہائی چالاکی اور گہری منصوبہ بندی سے کئے گئے ہیں۔ ان کا باریکی سے جائزہ لیا جارہا ہے۔ ممبئی شہر گذشتہ پندرہ سالوں میں تیرہ مرتبہ دہشت گردانہ حملوں کا شکار ہوا ہے جس میں سینکڑوں افراد ہلاک اور ہزاروں زخمی و معذور ہوئے ہیں چونکہ ممبئی تجارتی اور کاروباری شہر ہے یہاں دہشت گرد بم دھماکوں اور حملوں کے ذریعہ قومی معیشت کو متاثر کر کے عوام میں اضطراب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ حملہ آوروں کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ پڑوسی ملک پاکستان کے شہری ہیں جنہیں انڈیا اور اس کی عوام کے دشمنوں کی سرپرستی حاصل ہے ۔ عبدالرحمٰن سے اتنی معلومات حاصل ہونے پر بھی غیر ملکی طلباء مزید تفصیلات کے خواہش مند تھے۔

اسکول سے گھر واپس آکر عبدالرحمٰن اپنے ساتھیوں کے سوالات کا معقول جواب تلاش کرنے لگا۔ اسے ایسا لگا کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ وقتی ردِعمل کا اظہار تھا۔ اپنی جستجو جاری رکھتے ہوئے اس نے انٹرنیٹ کے توسط سے ممبئی میں اپنے والدین اور مقامی دوستوں سے اجنبی کے مانند مکمل تفصیلات حاصل کرنے لگا۔ تاکہ اپنے غیر ملکی ساتھیوں کو

معلومات فراہم کر سکے۔E-chatting (گفتگو) کے دوران ''مادرِ وطن کی سوندھی مٹی کی خوشبو کا فرحت بخش احساس'' عبدالرحمٰن کے انگ انگ میں سمانے لگا تھا۔ اسے وطن کی قربت اور محبت شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔ پھر وہ جذبات سے مغلوب ہو کر آہیں بھرنے لگا تھا۔ اس کی سسکیوں کی صداؤں سے اس کے گھر والوں اور دوستوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ مکمل جانکاری کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ 'یہ دہشت گرد بیمار ذہنیت کے حامل ظالم لوگ تھے۔ جن کا مقصد صرف معصوم انسانوں کو ہلاک کرنا اور دوسروں کی خوشیوں اور سکون کو برباد کر کے عوام میں انتشار پھیلاتے ہوئے ملک کو عدم استحکام سے دوچار کرنا تھا اور ان دہشت گردانہ حملوں کیلئے انہیں ملک وقوم دشمن طاقتوں کی سرپرستی حاصل تھی۔

عبدالرحمٰن کو یہ دیکھ کر نہایت رنج ہو رہا تھا کہ اس کا شہرِ عزیز ممبئی جہاں وہ پیدا اور بڑا ہوا تھا اسے ہر طرح کا تحفظ حاصل تھا اور وہ بے خوف وخطر رہا کرتا تھا۔ اب وہاں دہشت گردی کا مہیب سایہ چھانے لگا تھا اور عدم تحفظ کے بادل منڈلانے لگے تھے۔ ہندوستان وہ سیکولر اور جمہوری ملک جو ہمیشہ بین الاقوامی سطح پر عدم تشدد اور امن وآشتی کی دہائی دیتے ہوئے ہم آہنگی اور یکجہتی کی راہ پر گامزن ہے۔ جہاں کے عوام عالمی برادری کے دکھ درد میں برابر شامل رہتے ہیں اور کسی بھی خطہ ارض پر دہشت گردی، زیادتی و ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ اب اس سرزمین پر حیوان صفت انسان، درندے بن کر AK47، رائفل، 5mm پستول اور دستی بم لیئے گھوم رہے ہیں۔ نجانے ان کی غیریت اور حمیت کہاں چلی گئی جو یہ نہیں سوچتے کہ ہندوستان ایک پرامن اور بقائے باہم پر ایقان رکھنے والا ملک ہے۔

عبدالرحمٰن کا ہم وطن وہم جماعت سچن جس کے والدین بھی ممبئی گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کو فون پر تشویش بھرے انداز میں بتایا کہ کس طریقہ سے دہشت

گردوں نے ممبئی کو حملہ کا نشانہ بنا کر سنسنی پیدا کردی تھی ۔ مگر اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے ۔ وہ اپنے بیٹے کی خوفزدہ حالت سے فکر مند تھے ۔

انکل ! اس حملہ کا تو خاتمہ ہو چکا ہے لیکن ہمیں ملک کی سلامتی و بقا اور قوم کی حفاظت کے لئے پوری طرح چوکس اور محتاط رہنا چاہئے ۔ جو حالات کا تقاضہ ہے ہاں ۔ آپ کچھ فکر نہ کریں ۔ آپ لوگوں کی آمد تک میں پچن کے ساتھ ہی رہوں گا ۔ میں بھی بہت تنہائی محسوس کر رہا ہوں ۔ آپ سب حالات معمول پر آتے ہی جلد دوبئی آجائیں اور ساتھ میں میرے والدین کو بھی لیتے آنا نہ بھولیئے ۔ عبدالرحمٰن نے انہیں طمانیت دیتے ہوئے اپنی کیفیت سے باخبر کیا ۔

دہشت گردانہ حملہ کے تیسرے روز عبدالرحمٰن نے اس گھڑی سکون کی سانس لی جب تمام دہشت گردوں کو محافظ دستوں نے ہلاک کر کے ان کے ایک زخمی ساتھی کو حراست میں لے لیا تھا ۔ یہ اطلاع اس نے اپنے سب دوستوں اور بیرون ممالک میں سکونت پذیر سارے احباب و اقارب کو ای میل کے توسط سے دی ۔ پھر انہیں بتایا کہ ہم سب کے ارکان خاندان محفوظ ہیں جس کی ہمیں خوشی ہے ۔ مگر ہمیں تمام مہلوکین کو یاد کر کے ان کے لواحقین سے دلی اظہارِ تعزیت کرنا ضروری ہے ۔ اور ان سے اظہارِ یگانگت کے طور پر غیر ممالک میں مقیم سب ہم وطنوں کو چند دنوں تک اپنی ساری تقریبات جو چاہے کسی بھی نوعیت کی ہو انہیں فوری منسوخ کر دینی چاہئے ۔۔

عبدالرحمٰن نے یہ پیغامِ وطنیت سب غیر مقیم ہندوستانی طلباء برادری تک پہنچایا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر محاذ پر ہندوستان اور ہندوستانیوں کی جئے ہو ۔۔

○☆○

جو شہید ہوئے ہیں

ملک کی تجارتی اور مالیاتی راجدھانی 'ممبئی' میں پڑوسی دیش پاکستان سے گھس آئے دہشت گرد حملہ آوروں نے جو ہلاکت انگیز حملے کیے تھے۔ وہ ہندوستان کی تاریخ کے سب سے بڑے اور ہولناک دہشت گردانہ حملے تھے۔ ان خونچکاں حملوں پر ہر آنکھ گریاں کناں، ہر زباں نوحہ خواں اور ہر دل آہ وفغاں کر رہا تھا۔ ہندوستان کی گودی میں بسی اونچی فولادی پہاڑیاں، کھلیتی ندیاں، سرسبز وادیاں اور گھنے بیاباں تصویرِ درد نہاں بنی ہوئی تھیں:

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

ان جنگ کے مماثل قیامت خیز اور مہلک حملوں سے نمٹتے ہوئے ہمارے جن اٹھارہ فوجی سپاہیوں، خصوصی محافظ دستوں، پولیس عہدیداروں اور اہل کاروں نے اپنی قیمتی جانیں قربان کی تھیں۔ ان میں ایک حفاظتی اہلکار 35 سالہ مکیش بی جادھو بھی تھے:

تم ہی سے اے مجاہد واجہان کو ثبات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

اس خون آشام شب کو ہوم گارڈ مکیش جادھو روزانہ کی طرح چھتر پتی شیواجی ٹرمینس ریلوے اسٹیشن پر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ جب وہ مسافرین کے سامان کا معائنہ کرنے میں مصروف تھے تو اس درمیان پارسل سکشن کے قریب واقع گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی دہشت گردوں نے ان پر گولیاں چلانی شروع کردیں تھیں۔ وہ اس اچانک حملہ سے چونک کر اطراف میں موجود مسافرین کو چوکنا کرتے ہوئے چیخ اٹھے۔ آپ سب خبردار ہو جائیں۔ حملہ آور گولیاں چلا رہے ہیں۔ اپنی حفاظت کرلیں۔ مکیش جادھو کے پاس بندوق نہیں تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے زخمی حالت میں پچاس گز دوڑتے ہوئے ریلوے پولیس کو فائرنگ سے آگاہ کردیا تھا۔ اس کے بعد ہی سارے شہر میں حملہ کے خطرے کا بگل بجا دیا گیا تھا!

مکیش جادھوان تین ہوم گارڈس میں سے تھے جنہیں سیکوریٹی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد چھتر پتی شیواجی ٹرمینس ریلوے اسٹیشن پر ریلوے پولیس کی مدد کے تحت تعینات کیا گیا تھا۔

انہوں نے نہتے ہونے پر بھی سفاکانہ حملہ کا انتہائی دلیری سے مقابلہ کیا تھا۔ (سی ایس ٹی) ریلوے اسٹیشن پر سب سے پہلے حملہ آوروں نے ہوم گارڈ کی ملازمت پر فائز اس نوجوان کو اپنی گولیوں کا پہلا نشانہ بنایا تھا۔ وہ وردی میں ملبوس پہلے صیانتی اہل کار تھے جنہوں نے گولیوں کو اپنے جسم پر جھیلا تھا۔ ڈپٹی کمانڈنٹ جنرل ہوم گارڈس مہاراشٹرا، مسٹر بی آر راوت نے کہا: مکیش جادھو کا تعلق کونکن سے ممبئی منتقل ہوئے خاندان سے تھا۔ انہوں نے نوکری کے لیے یہاں کا رخ کیا تھا۔ حفاظتی انتظامات کے دوران شہید ہونے والے اس نوجوان نے نہتی حالت میں بھی اپنا فرض بخوبی ادا کرتے ہوئے ایمانداری اور فرض شناسی کی ایک نادر مثال قائم کرکے ملک وقوم کے لیے قربان ہوگئے تھے۔۔

○☆○

Mumbai Hamlon Ke Mazlumeen

(Mumbai Attack's Victims Stories)

By: Mohammed Mujeeb Ahmed

مشاہیر قلم کاروں کی آراء:

محمد مجیب احمد کا شمار حیدرآباد کے ان نوجوان قلم کاروں میں سے ہے جو ادب کو مقصدیت مانتے ہیں اور انسانیت کی بقا و تحفظ کے لیے قلم کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ وہ حساس فنکار ہیں اور عصری حسیت کو محسوس کرتے ہیں۔۔! (فریدہ زین، حیدرآباد)

محمد مجیب احمد عرصہ دراز سے اردو ادب میں ایک تابندہ ستارے کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ وہ سماجی حقیقتوں اور دل کی سچائیوں کے قلم کار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سماج میں رونما ہونے والے واقعات کو جس طرح دیکھتے اور دل کی گہرائیوں سے سماج کے درد و کرب کو محسوس کرتے ہیں۔ کہانیوں کی شکل میں اس کا ویسا ہی جرأت مندانہ اظہار بھی کر دیتے ہیں۔۔!

(ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں، رام پور، یوپی)

محمد مجیب احمد ایک عرصے سے فکشن کے جہاں میں اپنی ایک الگ تخلیقی دنیا آباد کرنے میں ہمہ تن مصروف و مگن ہیں۔ چونکہ بنیادی طور پر وہ بڑے حساس اور بیدار طبیعت کے مالک واقع ہوئے ہیں اور ایک سچے قلم کار کا درد مند تڑپتا ہوا دل بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے عصر کے حالات میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ قلم کے ذریعے اسے الفاظ کا پیکر، اس انداز میں عطا کرتے ہیں کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔!

(ڈاکٹر عظیم راہی، اورنگ آباد، مہاراشٹرا)

SAM # 9246 54 3027
m_basharath@yahoo.com
www.samurdu.com